

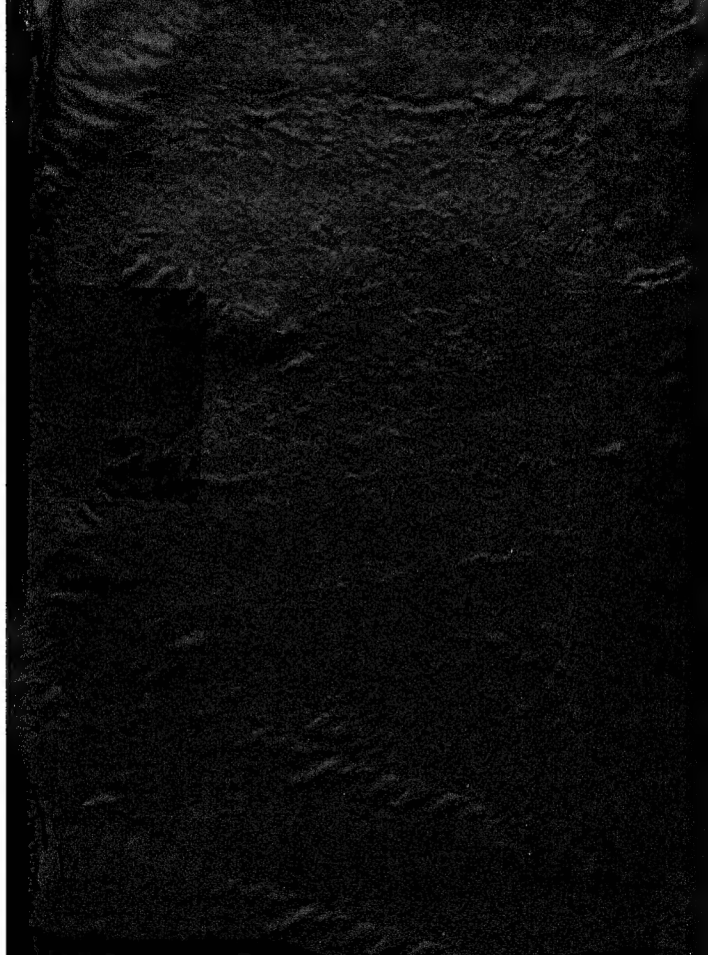
(اقبال)

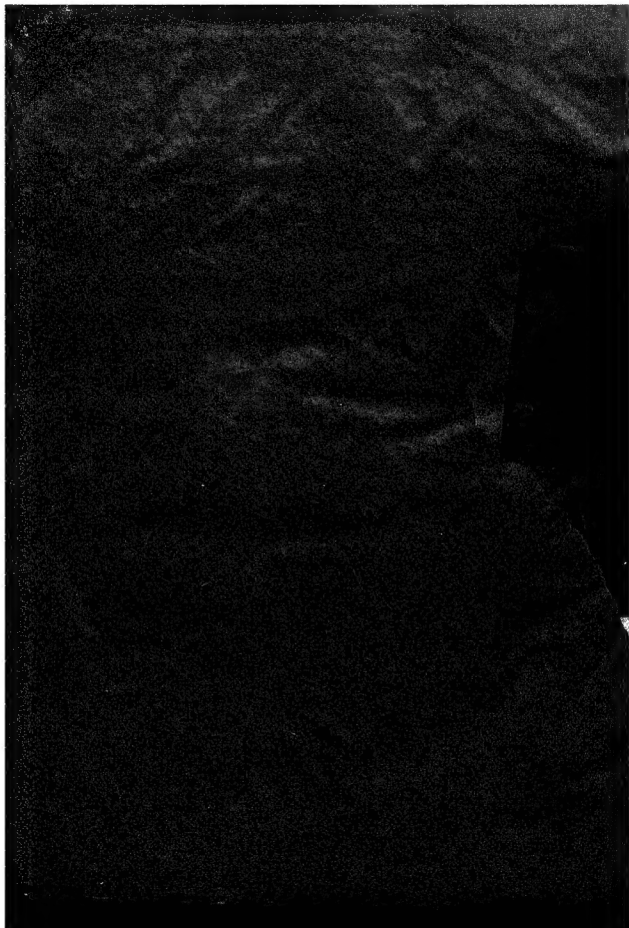
ہنر تراشیں قصہ سلطان کے گنبد پہ
تو شاہین بیہر اگر بہار دہی چٹاؤ میں

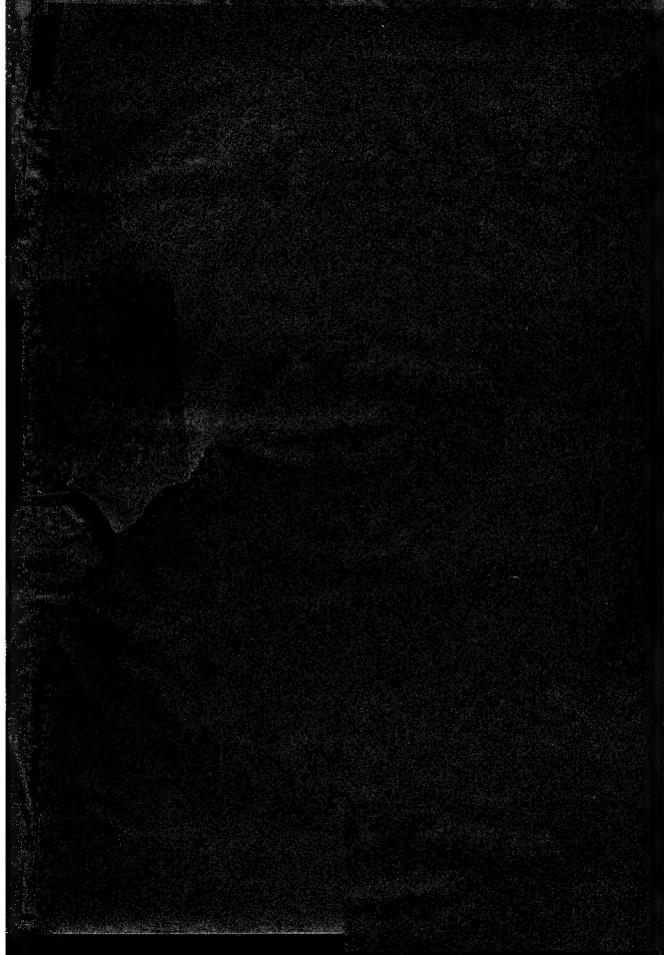
بالِ جبریل

اقبال

مکتبہ کمال پبلشنگ ہاؤس نئی سڑک دہلی







بالِ حیرل

اٹھ کہ خورشید کا سامان سفر تازہ کریں
نفس سوختہ شام و سحر تازہ کریں
(اقبال)

ملنے کا پتہ

کمال پیشنگ ماؤس نوہ انہی سڑک دھلی

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر!
مردِ نادان پر کلامِ نرم و نازک بے اثر!
(بھرتی ہری)

قیمت مجلد - ۱۰ روپے، بلا جلد - ۳/۴

مطبوعہ - کمال پرنٹنگ پریس نئی سرگودھا - دہلی۔

اقبال اور بال جبریل

شیخ نور محمد کے اب وجہ تشریف اگر سیال کوٹ میں آباد ہو گئے تھے۔ شیخ نور محمد بہت مذہبی اور دیندار بزرگ تھے۔ آپ کا خاندان، سپرد گوشت کے برہمن سے ہے لیکن شیخ نور محمد کے جد کوئی تین سو سال ہوئے ہیں مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ اور دین کے جملہ احکامات کی پابندی سے عامل تھے۔

اقبال کی پیدائش شیخ نور محمد سیالکوٹ میں خیالی کا کاروبار کرتے تھے، ایک شب غروب دیکھا کہ "ایک پرندہ آسمان کی بلندی سے اڑتا ہوا چلا آ رہا ہے، تمام خلقت اس کی طرف متوجہ ہے۔ اور ہر شخص اس حسین و خوبصورت پرندے کو حاصل کرنے کا خواہاں ہے، لیکن وہ پرندہ فضا و آسمانی سے آکر شیخ کے ہاتھ پر بیٹھ گیا۔ شیخ نے خود تبصر بیان کی کہ: "میرے کوئی فرزند پیدا ہو گا جو اسلام کا نام روشن کرے گا؛ چنانچہ ۱۸۷۴ء میں شیخ صاحب کے یہاں ایک فرزند پیدا ہوا۔ حسین کا نام "محمد اقبال" رکھا گیا۔ یہ وہی محمد اقبال ہیں جنہوں نے اپنی زندگی دین محمدی کی خدمت کے لئے وقف کر دی تھی۔ آپ کے بڑے بھائی کا نام عطا محمد تھا۔ جنہوں نے اقبال کو اعلیٰ تعلیم دلائی۔

تعلیم اقبال کے والد شیخ نور محمد کے دوستوں میں ایک بزرگ میر حسن نامی تھے، جو علم و فضل میں کمال رکھتے تھے، اور مشن اسکول سیالکوٹ میں عربی کے مدرس تھے، شیخ نے اقبال کی تعلیم کی ساری ذمہ داری مولوی میر حسن کے سپرد کر دی تھی۔ مولوی صاحب کی ایک خاص صفت یہ تھی کہ وہ درس و تدریس میں اپنے طالب علموں کی ہر گنجہ مدد کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ اقبال نے ابتدائی اجاعتوں سے لے کر مڈل اور میرٹک کے امتحانات امتیازی نشانات سے پاس کئے اور وظائف پاسے۔ پھر اسکول مشن کالج سیالکوٹ سے انٹر کا امتحان بھی دیا اور کامیابی کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں بی۔ اے کے طالب علم ہوئے۔ اس کالج میں پروفیسر آرنلڈ سے اقبال نے فلسفہ کی تعلیم حاصل کی۔ پروفیسر جیمز اقبال کی ذہانت سے بے حد متاثر تھے اور بہت محبت سے پیش آتے تھے۔ اقبال نے بی۔ اے درجہ اول سے پاس کیا اور انگریزی میں زیادہ بھر حاصل کرنے کی بنا پر سونے کے دو مڈل انعام میں پاسے۔ اس طرح ایم۔ اے میں اول درجہ آنے پر سونے کا مڈل حاصل کیا۔

شاعری کی ابتدا | اقبال کی شاعری کی ابتدا کے متعلق کوئی صحیح تعین نہیں کیا جاسکتا، لیکن روایات شاہد ہیں کہ بچپن ہی میں "بازاری منظوم قصے" سننا پکارتے تھے "اور ان کی آواز بہت شیریں تھی"۔ لیکن محمد مسیح پال کے اس بیان سے کہ: ایک دفعہ اقبال اسکول کے ایک جلسہ میں شریک ہوئے اور اپنی نظم پڑھی تھی۔ اس وقت اقبال کالج کے اور وقت اسکول کا طالب علم تھا۔ اندازہ ہوتا ہے کہ اسکاچ مشن کالج سے جبکہ وہ انشیکس طالب علم تھے۔ شعر گوئی کا سلسلہ شروع کر چکے تھے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اقبال نے شاعرانہ طبیعت پائی تھی اور اسکول کی ابتدائی جماعتوں سے ہی تنگ بندی شروع کر دی ہوگی مگر وہ زمانہ ہاؤس کا ہوتا ہے، چھ اداور سکون طبیعت میں نہیں ہوتا۔ اس لئے کوئی خاص توجہ زدی ہوگی۔ کالج کی تعلیم کے دوران میں ہی انھوں نے مرزا داس کو بذریعہ ڈاک اپنا کلام تصحیح کی عرض سے بھیجا شروع کر دیا تھا لیکن داس نے ان کی شعری صلاحیت سے متاثر ہو کر یہ لکھ دیا کہ "کلام میں اصلاح کی گنجائش بہت کم ہے" اس طرح اصلاح کا سلسلہ زیادہ دنوں تک نہ چلا سب سے پہلی غزل جو دوران طالب علمی میں اقبال نے شاعر میں پڑھی تھی اس کا یہ شعر راج بھی داد وسد کا مستحق ہے جتنا اس وقت بچا موتی سمجھ کے شان کرکھی نے چن لئے

قطرے جو تھے مہ عرق انفعال کے

ملازمت | ایم۔ اے کرنے کے بعد اقبال گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ کے استاد مقرر ہو گئے۔ انہی دنوں پروفیسر آرنلڈ انہی ملازمت سے سبکدوش ہوئے اور اپنے وطن چلے گئے۔ لیکن استاد اور شاگرد میں خط و کتابت جاری رہی۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ۱۹۰۵ء میں اقبال بھی لندن گئے اور کیمبرج یونیورسٹی میں داخل ہو کر فلسفہ کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ وہاں بھی پروفیسر موصوف سے برابر ملاقات رہتی اور انکساب علم کرتے رہتے۔ یورپ ہی میں اقبال نے ایک کتاب فلسفہ ایران پر لکھی جسے سلسلے میں سینگ یونیورسٹی جرمنی سے آپ کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی پھر برسرِ اثبات کا امتحان دیا اور کامیابی حاصل کی۔ انہی دنوں پروفیسر آرنلڈ جو یونیورسٹی میں عربی کے استاد تھے رخصت ہو گئے تو چھ ماہ تک ان کے عوض عربی کی تعلیم دیتے رہے۔ ۱۹۰۸ء میں انگلستان سے ہندوستان واپس ہوئے۔ اور گورنمنٹ کالج میں تعلیم دینے لگے اور وکالت بھی کرتے رہے۔ مگر دو تین سال کی ملازمت کے بعد ہی کالج کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ اور صرف وکالت کی طرف توجہ دینے لگے۔ لیکن اسی قدر مقدمات لیتے

جنتی آمدنی کی ضرورت ہوتی۔

خطابات۔ اقبال جب یورپ سے واپس ہوئے تو شیخ محمد اقبال سے ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ہو چکے تھے، پھر حکومت سے سرکار کا خطاب ملا، لیکن قوم نے ان کو علامہ کا خطاب دیا۔ جو ان کی تعلیم اور حکومت کے خطابات سے زیادہ بلند اور بڑھ کر رہا۔

قیام لاہور۔ علامہ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال لاہور میں کچھ عرصہ بھائی دروازہ، پھر نانا گلی میں رہے، اندر کی سی تقریباً اسی سال قیام رہا۔ میکورڈ روڈ پر چودہ سال قیام کے بعد، میروڈ اپنی خاص کوٹھی میں چلے گئے، جس کا نام اپنے لڑکے جواد علی اقبال کے نام پر "جواد علی منزل" رکھا تھا۔ اور اسی کوٹھی میں انتقال کیا۔

لیاس۔ یورپ جانے سے قبل سفید بگڑی، مکرر اور شلوار استعمال کرتے تھے، لیکن یورپ کے دوران قیام میں سوٹ پہننا شروع کر دیا تھا۔ مگر واپسی یورپ کے بعد سوٹ سے پرہیز کرنے لگے اور دی شلوار، قمیض استعمال کرنے لگے۔ لیکن اب کوٹ اور ترکی ٹوپی کا استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اور کبھی پیسٹ استعمال کرتے تو تکلف محسوس کرتے تھے اقبال کے کلام پر پڑا کرانہ نظر۔ اقبال کے شعری مجموعے جو ۱۹۰۶ء سے ان کی حیات کے دم آخر تک منظر عام پر آ سکے مندرجہ ذیل ہیں۔

ارمغان حجاز ؛ علامہ اقبال کا آخری شعری مجموعہ ہے جو ۱۹۳۸ء میں ان کے عالم آب دگل سے جدا ہونے کے بعد شائع ہوا۔

ضرب کلیم ؛ ۱۹۳۴ء کی اشاعت ہے، اس کے بارے میں اقبال نے خود کہا تھا کہ: ضرب کلیم ایک اعلان جنگ ہے زمانہ حاضر کے نام،

بال جبریل ؛ ۱۹۳۵ء میں ہوئی تھی۔ چونکہ علامہ اقبال نے مدت دراز کے بعد اردو شاعری کی طرف توجہ کی تھی اس لئے ملک میں اس کی اشاعت کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ یہ مجموعہ ناقدوں کی نظر میں اقبال کی اردو شاعری کی معراج ہے۔

پس چو باید کرد ؛ فارسی کلام جس میں دین و سیاست کے معانی و مقاصد پر روشنی ڈالی ہے۔

بانگ درا ؛ ۱۹۲۴ء میں اول بار منظر عام پر کتابی صورت میں آیا۔ ویسے اس کا زیادہ تر کلام زبان

زود خاص و عام تھا۔

پیام مشرق ؟ کی اشاعت ۱۹۲۲ء میں ہوئی، اس میں زیادہ تر اخلاقی، مذہبی اور ملی حقائق کو پیش نظر رکھا گیا ہے جس سے قوم و ملل کی اصلاح ہو۔

رمو بخودی ؛ ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئی۔ اس میں قومی دلی با کے تحفظ پر بحث کی ہے۔

اسرار خودی ؛ سب سے پہلا شعری مجموعہ منظر عام پر آیا۔ اس مجموعہ کے ذریعہ اقبال نے "خودی" کے صحیح تصور سے نہ صرف اسلامی معاشرہ کو آگاہ کرنے کی کوشش کی ہے بلکہ تمام اقوام و ملل کو "خودی" کے حقیقی معنی سے آگاہ کیا ہے۔

اقبال بال جبریل کے آئینہ میں بال جبریل میں اقبال نے جن بیجا بات کو پیش کیا ہے اس سے ایمان کی تھوڑی

اور ظلم مغرب سے پرہیز اور برصاغت کا پیغام ملتا ہے۔ اس کلیات میں جو فحشیت اقبال نے امت محمدی کو کی ہیں ان کی اساس تو یہی ہے جو محمد کے دین کا اصول ہے لیکن تھے انداز دہن سے میرا ہے میں جس مشفقانہ اور صلاحیت انداز میں انہوں نے یہ پیغام پہنکا ہے نہ جانے کا طریقہ اختیار کیا ہے وہ خود ایک کارنامہ ہے بال جبریل کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے،

اٹھ کر، خورشید کا سامان سفر تازہ کر
نفس سوختہ، شام و سحر تازہ کر
دوسرا شعر جو میرے خیال میں بال جبریل کا واضح مقصد ہے بھر تری ہری کا یہ خیال ہے۔

بھول کی بجائے کٹ سکتا ہے میرے کا جگر
حرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر
اس مجموعہ کی پہلی غزل جو دراصل حمد کا درجہ رکھتی ہے اس کا آخری شعر تو پوری انسانی برادری کا عکاس ہے۔

تو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا
میں ہی تو ایک راز خاصیت کا نجات میں

در اصل اقبال جہاں جہاں بھی خدا سے ہم کلام ہوئے ہیں وہاں ان کا دل اس انسانی رشتے سے واضح طور پر منسلک دکھائی دیتا ہے جو خود قدرت کا دھت کر دہ ہے۔ وہ قوم کی مفلوک حالی بے چاری، پریشان حالی اور دین الہی کی تباہی پر افسوس پرکھ خاموش ہو جاتا نہیں چاہتے۔ اس لئے پوری انسانی برادری کو اپنا ہمنوا بنا کر بھی خدا کے حضور عرض متنا کرتے ہیں۔ اور کبھی شوقی ہے۔

اگر کچھ روہیں تجسم آسمان تیرا ہے یا میرا
مجھے فکر جہاں کیوں ہو، جہاں تیرا ہے یا میرا

یورپ کے فرنگیوں نے جو مظالم اسلامی دنیا پر ڈھائے تھے اس سے اقبال نے انتہا متاثر تھے اس لئے پورے یورپ اور عرب سے خدا کے حضور بالاجتہاد کہتے ہیں کہ پائے ہمیں وہ دردِ اداس کس عطا فرما جو لاندل ہو، وہ کائنات عطا کر جس کی کھٹک ہمیشہ پاتی رہے۔ چنانچہ اقبال جب ہسپانیہ جاتے ہیں تو ”مجدد قرطبہ“ کی زیارت سے بے حد متاثر ہوتے ہیں، ان کو عظمتِ ملیما دیکھنے لگتا ہے اس کی شان و شوکت کچھ نقوش نگاہوں میں پھر نہ لگتے ہیں وہ سطوت جو اسلام کی شان ہے عالمِ وجود میں ابھرتی ہے اس ماحول سے متاثر ہو کر پکارا اٹھتے ہیں۔ کافر ہندی ہوں میں دیکھو مرا ذوقِ شوقِ دل میں صلوٰۃ درودِ لب پر صلوٰۃ درود یہی نہیں بلکہ رب العزت سے التجا کرتے ہوئے کہتے ہیں:-

شوقِ مرئی نے میں ہے، شوقِ مرئی نے میں ہے نغمۃ اللہ ہو، میرے رگ دیے میں ہے

اقبال نے مذہبی انقلاب اور موت کی اس شاہدہ پر کارن تھے جس کی منزلِ حقانیت ”سپائی، اخوت، ایک عالمگیر تصور اور اپنی نعمات سے مملو“ بال جبریل — میں ہسپانیہ، لینن، سائی نامہ، پیررومی، موسیقی، جبریل دالمیس، حبیبی اہم و بلند پایہ نقیض بھی شامل ہیں۔ لیکن پورے مجموعے میں ”پیررومی“ اور ”مجدد قرطبہ“ شاہکار ہیں۔ پیررومی بظاہر خاکِ عالم اور محاکمہ کی ایک قسم ہے جس میں مولانا روم اور مرید ہندی کے یکسر میں مغرب و مشرق، انسان اور خدا، کافر و مؤمن، خاک اور نور، ظلم اور حکمت، مجاز اور حقیقت، وعیدہ کے فرق اور اشارات پر روشنی ڈالی ہے مگر دراصل مغرب اور مشرق کے اس علم کو ابھار گیا ہے جس نے مشرق کو ذلیل اور مغرب کو ممتاز بنا رکھا تھا۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اہل مغرب کا سامنا سرمایہ علم مشرق کی دین ہے۔ اس زمانہ کے علم نے اقبال کو بے خوف بنایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ یورپ بھی گئے وہاں درس و تدریس کے دود سے بھی گزرے، اہل یورپ سے ربط مضبوط بھی قائم کیا، ان کی محفلوں میں بھی شریک ہوئے۔ لیکن یہ کائناتِ دل سے موت کے آخری عمر تک نہ نکلا کہ ”اہل مغرب، مشرق سے بلند دیا لائے گا جو دعویٰ کرتے ہیں وہ غلط ہے ان کا موجود معاشرہ ناکارہ ہے پھر بھی ہم مطعون ذکاوت قرار دیئے جاتے ہیں“ چنانچہ تجا وید کے نام جو مظلوم خط لندن بھیجا تھا اس میں اپنے اس دکھ اور درد کا عداو اس طرح چاہا۔

اٹھ! نہ شیشہ گراں فرنگ کے احسان سفال ہند! سے مینا و جامِ پیداکر

سفال ہند — سے اقبال کی ہرگز میرا در نہ تھی کہ وہ ہندی نثر اور تھے اس لئے انھیں اسی خاک سے پیوست رہنا چاہیے انھیں یہ خوف تھا کہ کہیں ”جادو اقبال“ اہل یورپ کی معاشرت اور ان کی سمجھنا انہوں سے متاثر ہو کر اسی رنگِ بو کو قبول نہ کریں اور مشرق کے امتیازی نشان کو اپنے دل سے محو نہ کر دیں۔ اقبال کا وطن صرف سیالکوٹ نہ تھا۔ وہ ہر گیر شخصیت کے مالک تھے

ان کا وطن ہندوستان کے کوئے کوئے میں تھا بلکہ سارا مشرق ان کا وطن تھا وہ اسکی عظمت برقرار رکھنے کے لئے اپنے جسم کا آخری قطرہ خون تک دینے کو تیار تھے۔ ویسے وہ آفاقی تھے اور ان کا مسلک تھا:

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے مومن کا مقام ہر کہیں ہے

وفات ۱۹۳۷ء میں ان کی آنکھوں میں موتیا اتر آیا تھا اس سے دو سال قبل آپ کی البیہ کا انتقال ہو چکا تھا پھر سانس پھولنے کی شکایت ہوئی انتقال سے تین دن قبل بغم میں خون ملا ہوا آنے لگا۔ ان تمام باتوں سے آپ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تھا۔ مرض الموت ہی میں اپنے بڑے بھائی اعطاء محمد صاحب کی دلجوئی سے متاثر ہو کر ایک شعر کہا:-

نشان مرد مومن با تو گویم چو مرگ آمد شہم بربل اوست

افسوس کہ شاعر انقلاب و شاعر مشرق علامہ محمد اقبال نے ۱۷ اپریل ۱۹۳۸ء کو ۶۵ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس شعر کے پہلے مصرعے میں وفات کا سہری سن اور دوسرے میں عیسوی سن نظم کیا گیا ہے۔

”شیخ غاموش“ سال ہجری ہے عیسوی شیخ شاعری فانوس

غالب نے زبان و ادب کی جو شمع جلائی تھی اس سے درست طور پر اگر کسی نے فیض اٹھایا اور اس شمع کو اپنے افکار و خیالات سے نہیں بلکہ جگر کے اوس صوفی بخشش، اس میں اقبال کا زیادہ حصہ ہے یہی نہیں بلکہ تنقید حیات کا جو کام غالب فنون لطیفہ کی اس قسم سے لیا جا چلتے تھے اسے کسی حد تک اقبال ہی نے اپنایا اور پورے وقار و تمکنت کے ساتھ عدم محکم اور عمل بیہم کے ساتھ اسلام کی خدمت کے لئے اپنے کو وقف کر دیا۔ وہ جانتے تھے کہ اخلاق عالیہ ہی کسی قوم کی منہ راج ہے اور مسلمانوں کے پاس آبرو و منہ از زلفی گزارنے کے لئے بصیرت اور حیات نو حاصل کرنے کے لئے مستحکم بنیاد موجود ہے اور وہ اللہ کا کلام معجز بیان ہے چنانچہ وہ احیاء اسلام کی تبلیغ کو فرض سمجھنے لگے، ایک بار خود کہا تھا:

”میری قوم کی حالت ناگفتہ بہ ہے، میں اسے اس حالت میں چھوڑ دوں، تو کیا یہ فعل

میری اپنی فطرت سے غداری کے مترادف نہ ہو گا؟“

عرض ملت بیضا کے اسی نظم نے اقبال کے قلب میں وہ سوز و گداز پیدا کر دیا جو مقالات، خطبات، بیانات اور اشعار کی صورت میں ہمارے سامنے آئے۔

سید مرتضیٰ حسین بلگرامی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱

میری نوائے شوق سے شورِ حرمِ ذات میں!
 غلغلہ ہائے الاماں بستکدہ صفت میں!
 حور و نشتر ہیں اسیرِ میری تجلیات میں!
 میری نگاہ سے خسل تیری تجلیات میں!
 گرچہ ہے میری جستجوِ دیر و حرم کی نقشند
 میری نفاں سے رستخیزِ کعبہ و سومات میں!
 گاہری نگاہ تیز چسپاں گئی دل وجود
 گاہِ الحج کے رہ گئی سیسک تو بہات میں!
 تو نے یہ کیا غضب کیا! مجھ کو بھی فاش کر دیا
 میں ہی تو ایک راز تھا۔ سینہ کائنات میں!

ترے شیشے میں مے باقی نہیں ہے؟ بتا کیوں تو مے رسانی نہیں ہے
 سمندر سے بلے پیاسے کو شبنم! بخجیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

۲
 اگر کج رو ہیں انجسم، آسماں تیرا ہے یا میرا؟
 مجھے فکر جہاں کیوں ہو، جہاں تیرا ہے یا میرا؟
 اگر ہنگامہ ہائے شوق سے ہے لامکاں خالی
 خطا کس کی ہے یا رب، لامکاں تیرا ہے یا میرا؟
 اسے صبح ازل انکار کی جرأت ہوئی کیوں کر؟
 مجھے معلوم کیا وہ راز داں تیرا ہے یا میرا؟
 محمد بھی ترا جب میل بھی قراں بھی تیرا
 مگر حیرت شیریں تر جاں تیرا ہے یا میرا؟
 اسی کو کب کی تابانی سے ہے تیرا جہاں روشن
 زوالِ آدمِ حاکم کی زیاں تیرا ہے یا میرا؟

۳

گیسوئے تابدا کو اور بھی تاب دار کر!
 ہوش و خس و شکار کر قلب و نظر شکار کر!
 عشق بھی حجاب میں حسن بھی ہو حجاب میں!
 یا تو خود آشکار ہو یا مجھے آشکار کر!

تو ہے محیط بے گراں میں ہوں ذرا سی آب جو
یا مجھے ہم کنار کر کیا مجھے بے کنار کر
میں ہوں صدق تو تیرے ہاتھ میرے گہر کی آہر و
میں ہوں خزن تو تو مجھے گوہر شاہوار کر
نغمہ نو بہار اگر مسیح نصیب نہ ہو
اس دم نسیم سوز کو طائر کب بہار کر
باغ بہشت سے مجھے حکیم سفر دیا تھا کیوں؟
کار جہاں دراز ہے اب مرا انتظار کر
روز حساب جب مرا پیش ہو دفتر عمل
آپ بھی شرمسار ہو مجھ کو بھی شرمسار کر

دلوں کو مرکزِ جہنمِ وفا کر || حیریم کبریا سے آشنا کر
جسے نانِ جوین بخشا ہے تو نے || اسے بازوئے حیرت بھی عطا کر

اثر کرے نہ کرے سن تو لے مری فریاد
نہیں ہے داد کا طالب یہ بندہ آزاد
یہ شوقِ خاک یہ صرصر یہ وسعتِ افلاک
کرم ہے یا کلمہ ستم تیری لذتِ ایجا داد

ٹھہر سکا نہ ہوائے چمن میں خمیہ گل
 یہی ہے فصل بہاری؟ یہی ہے بادِ مراد؟
 تصور وار غریب الدیار ہوں لیکن
 تراخِ سراپہ فرشتے نہ کر سکے آباد!
 مری جفا طلبی کو دعائیں دیتا ہے
 وہ دشتِ سادہ وہ تیرا جہانِ بے بنیاد
 خطر پسند طبیعت کو سازگار نہیں،
 وہ گلستاں کہ جہاں گھات میں ہو صیاد!
 مقامِ شوق ترے قدسیوں کے بس کا نہیں
 انہیں کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد!

جوانوں کو مری آہِ سحر دے پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے
 خدایا آرزو میری یہی ہے مرا نور بصیرت عام کر دے

کیا عشق ایک زندگی مستعار کا!
 کیا عشق پائدار سے ناپائدار کا!
 وہ عشق جس کی شمع بجھا دیے اجل کی بھونک
 اس میں مزا نہیں پیش و انتظار کا!

میری بساط کیا ہے؟ تب یک نفس
شعلہ سے بے محل ہے الجھنا شرار کا
کر پہلے مجھ کو زندگی جاوداں عطا
پھر ذوق و شوق دیکھ دل بے قرار کا
کانٹا وہ ہے کہ جس کی کھٹک لازوال ہو
یارب وہ درد جس کی کک لازوال ہو

۶

پریشاں ہو کے میری خاک آخر دل نہ بن جائے
جو مشکل اب ہے یارب پھر وہی مشکل نہ بن جائے
نہ کر دیں مجھ کو مجبورِ نوا نسردوس میں جو رہیں
مرا سوزِ دروں پھر گرمی محفل نہ بن جائے
کبھی چھوڑی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہو راہی کو
کھٹک سی ہے جو سیلے میں غم منزل نہ بن جائے
بنایا عشق نے دریائے ناپید اگر اں مجھ کو
یہ میری خود نگہداری مرا ساحل نہ بن جائے
کہیں اس عالم بے رنگ و بو میں بھی طلب میری
وہی افسانہ و نبالہ محفل نہ بن جائے

عروج آدم حشا کی سے انجم سپہ جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تار مسرہ کا بل نہ بن جائے

ترنی دُنیاں مرغ و ماہی || مری دُنیاں افغان صبح گاہی
ترنی دُنیاں میں محکوم و مجبور || مری دُنیاں میں تیری پادشاہی

دگرگوں ہے جہاں تاروں کی گردش تیرے ساقی
دل ہر ذرہ میں غوغائے رستا خیز ہے ساقی
متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کا فساد کا غمخیزہ خونریز ہے ساقی
وہی دیرینہ بیماری! وہی ناخگسٹ دل کی
علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی
حرم کے دل میں سوزِ آرزو پیدا نہیں ہوتا
کہ پیدا ہی تری اب تک حجابِ آمیز ہے ساقی
نہ اٹھ پھر کوئی رومی عجب کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گلِ ایراں وہی تبریز ہے ساقی
نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا غم ہو تو یہ مٹی بہت زرِ خیز ہے ساقی

فقیر راہ کو بخشے گئے اسرارِ سلطانی
بہا میری نوا کی دولت پر ویز ہے ساقی

کرم تیرا کہ بے جوہر نہیں ہیں || غلامِ طفیل و سنجہ نہیں ہیں
جہاں بتی مری فطرت ہے لیکن || کسی حبشید کا سا غر نہیں ہیں

لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی !
ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی !
تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترانہ فیض ہو عام اے ساقی !
میر ہی مینا ہے غزل تھی ذرا سی باقی !
شیخ کہتا ہے کہ یہ بھی حیرام اے ساقی !
شیر مردوں سے ہوا بیشہ تحقیق تھی ! !
رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی !
عشق کی تیغ جگر دارا اڑالی کس نے ؟
علم کے ہاتھ میں حنالی ہے پیام اے ساقی !
سینہ روشن ہو تو ہے سوزِ سخن عینِ حیات
ہونہ روشن تو سخن مرگِ دوام اے ساقی !

تو میری رات کو مہتاب سے محروم نہ رہے
ترے پیسے میں ہے ماہ تمام اے ساقی !

وہی اصل مکان و لامکان ہے || مکان کیسا ہے؟ انداز بیاں ہے
خضر کیوں کر بٹائے کیا بتائے || اگر ماہی کہے دریا کہاں ہے

۹

مطّٰو دیا مرے ساقی نے عالم من و تو
پلا کے مجھ کو مے لَآ اِلٰہَ اِلَّا هُوَ !
نہ مے نہ شعر نہ ساقی نہ شورِ جنگ و رباب
سکوت کوہِ دلِ جوئے و لالہ خود رو !
گدائے میکدہ مٹی شانِ بے نیازی دیکھ
پہنچ کے چشمہ حیواں پہ توڑتا ہے صبا
مرا صبوچہ غنیمت ہے اس زمانے میں
کہ خانقاہ میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو !
میں نونیاز ہوں مجھ سے حجاب ہی اولی
کہ دل سے بڑھ کے ہے میری نگاہ بے قابو !
اگرچہ بھر کی موجھوں میں ہے مقام اس کا
صفائے پاکِ طینت سے ہے گہر کا وضو !

جہیل تر میں گل و لالہ فیض سے اس کے
نگاہ شاعر سر رنگیں نوا میں ہے جادو!

کبھی آوارہ و بے خانماں عشق کبھی شاہ شہاں نوشیرواں عشق
کبھی میدان میں آہنا ہے زرہ پوش کبھی عسریاں بے تیغ و سناں عشق

۱۰

متل بے پہا ہے در و دوسو ز آرزو مندی
مقام بندگی دیکر نہ لوں شان خداوندی!
تے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا
یہاں مرنے کی پابندی وہاں جینے کی پابندی
حجاب اکیر ہے آوارہ کوئے محبت کو
مری آتش کو بھڑکاتی ہے تیری دیو بندی!
گذر اوقات کر لیتا ہے یہ کوہ بیاباں میں
کہ شاہیں کے لئے دولت ہے کار آشیاں بندی
یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ سرزندی؟
زیارت گاہ اہل عزم و ہمت ہے لحدِ میری
کہ خاک راہ کو میں نے بتایا رازِ لوندی

مری مشاطگی کی کیا ضرورت جس معنی کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی چنابندی

کبھی تنہائی کوہ و دمن عشق || کبھی سوز و سرور انجمن عشق
کبھی سرمایہ محرابِ منبر || کبھی مولا علیؑ خیر شکن عشق

تجھے یاد کیا نہیں ہے مرے دل کا وہ زمانہ
وہ ادب کہ محبت اور نگہ کا تازیانہ
یہ بُت ان عصرِ حاضر کہ بنے ہیں مدرسے میں
نہ اولے کا نسرانہ نہ تراش آذرانہ
ہمیں اس کھلی فضا میں کوئی گوشہ فراغت
یہ جہاں عجب جہاں ہے افس نہ آشیانہ
رگ تاک منتظر ہے تری بارشِ کرم کی
کہ غم کے میسکدوں میں نہ رہی مئے مغانہ
مرے ہم صغیر اسے بھی اثر بہسار سمجھے
انہیں کیا خبر کہ کیا ہے یہ نوالے عاشقانہ
مرے خاک و خوں سے تو نے یہ جہاں کیا پیدا
صلہ شہید کیا ہے؟ تب و تابِ جاودانہ

تری بندہ پروری سے مرے دن گذرے ہیں
نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایت زمانہ

عطا اسلاف کا جزدیہ دکن || شریک زمرہ لایمخسرتون کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں || مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

۱۲

ضمیر لالہ مے لعل سے ہوا البریز
اشارہ پاتے ہی صوفی نے توڑ دی پڑھینز
پچھائی جو کہیں عشق نے بساط اپنی !!
کیا ہے اس نے فقروں کو وارث پروریز
پرانے ہیں یہ ستارے فلک بھی فرسودہ
جہاں وہ چاہے مجھ کو کہ ہوا بھی نوخیز
کسے خبر ہے کہ ہنگامہ نشور ہے کیا
تری نگاہ کی گردش ہے میری رستاخیز
نہ چھین لذت آہ سحر کہی مجھ سے
نہ کر نگہ سے تغافل کو التفات آمیز
دل نہیں کے موافق نہیں ہے موسم گل
صدائے مرغ چمن ہے بہت نشاط انگیز

حدیث ہے خبراں ہے تو بازمانہ ساز
زمانہ باتونہ ساز و تو بازمانہ ستیز!

یہ نکتہ میں نے سیکھا بوجھ سے || کہ جہاں مرقی نہیں مرگ بدن سے
چمک سورج میں کیا باقی رہے گی || اگر بیزار ہو اپنی کرن سے

۱۳

وہی میری کم نصیبی وہی تیری بے نیازی
مرے کام سمجھ نہ آیا یہ کمال نے توازی
میں کہاں ہوں تو کہاں تھے یہ مکاں کہ لامکاں ہے
یہ جہاں مرا جہاں ہے کہ تری کرشمہ سازی
اسی کشمکش میں گذریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی کبھی بیچ و تاب رازمی
وہ فریب خوردہ شاہیں کہ بلا ہو کر گسوں میں
اسے کیا تجربہ کہ کیا ہے رہ و رسم شاہبازی
نہ زباں کوئی غزل کی نہ زباں سے باخبر میں
کوئی دلکش اصداء ہو عجیب سی ہو یا کہ تازی
نہیں نقیر و سلطنت ہیں کوئی امتیاز ایسا
یہ سپہ کی تیغ بازی وہ نگہ کی تیغ بازی !!

کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیر کارواں میں نہیں خورے دل نوازی

خرد واقف نہیں ہے نیک و بد سے بڑھی جاتی ہے ظالم اپنی حسد سے
خدا جانے مجھے کیسا ہو گیا ہے خرد سیرا دل سے میں خرد سے

۱۴

اپنی جولاں گاہ زیر آسماں سمجھا تھا میں
اب دگل کے کھیل کو اپنا جہاں سمجھا تھا میں
بے حجابی سے تری ٹوٹا نگاہوں کا طلسم
اک ردائے نیلگوں کو آسماں سمجھا تھا میں
کارواں تھک کر فضا کے پیچ و خم میں و گیا
ہر وہاں مشتری کو ہم غناں سمجھا تھا میں
عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں
کہ گئیں راز محبت پر وہ دایہائے شوق
تھی فغاں وہ بھی جسے ضبط فغاں سمجھا تھا میں
تھی کسی در ماندہ رہر کی صدائے دردناک
جس کو آوازِ رحیل کارواں سمجھا تھا میں

خدا کی ہستیاں خشک و تر ہے ۱۱ خداوند احدائی دروِ سر ہے
 ولیکن بندگی! استغفر اللہ ۱۱ یہ دروِ سر نہیں دروِ جگر ہے

۱۵

اک دانش تو رانی اک دانش برہانی
 ہے دانش برہانی حیثیت کی فراوانی
 اس پیکر خاکی میں اک شے ہے سودہ تیری
 میرے لئے مشکل ہے اس شے کی نگہبانی
 اب کیا جو فغاں میری پہنچی ہے ستاروں تک
 تو نے ہی سکھائی تھی مجھ کو یہ غزل خوانی
 ہو نقش اگر باطل تکرار سے کیسا حاصل
 کیا تجھ کو خوش آتی ہے آدم کی یہ ازلانی
 مجھ کو تو سکھا دی ہے افرنگ نے زندگی!
 اس دور کے ملائیں کیوں ننگ مسلمان!
 تقدیر شکن قوت باقی ہے ابھی اس میں
 ناداں جسے کہتے ہیں تقدیر کا زندانی!
 تیرے بھی صنم حنائے میرے بھی صنم خانے
 دونوں کے صنم خاکی، دونوں کے صنم فانی!

یہی آدم ہے سلطانِ بحر و بر کا ۱۱ کہوں کا کیا ماجر اس بے بصیر کا
نہ خود میں نے خدا میں نے جہاں ہیں ۱۱ یہی شہ کار ہے تیرے ہنر کا

۱۶
یا رب یہ جہانِ گدراں خوب ہے لیکن
کیوں خوار ہیں مردانِ صفا کیش و ہنر مند؟
گو اس کی خدائی میں نہ جان کا بھی ہے ہاتھ
دُنیا تو سمجھتی ہے فرنگی کو خداوند
تو بگ گیا ہے تد ہی اہلِ خسرو را
او کشتِ گل و لاله بہ بخشد بخرے چند
حاضر ہیں کلیسا میں کبابِ مے گلگوں
مسجد میں دھرا کیا ہے بجز موعظ و پسند
احکامِ ترے حق ہیں مگر اپنے مفہم
تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں پازند
فردوس جو تیرا ہے کسی نے نہیں دیکھا
افرنک کا ہر قریہ ہے فردوس کی مانند
مدت سے ہے آوارہٗ افلاکِ مرفر
کرمے سے اب چاند کی غاروں میں نظر بند

فطرت نے مجھے بخشے ہیں جو ہر ہر ملکوتی
 خاکی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند!
 درویشِ خدا مست نہ شرتی ہے نہ غری
 گھر میرا نہ دلی نہ صفا ہاں نہ سمہر قند!
 کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق!
 تھے ابلہ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند
 اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
 میں زہرِ لہلہا کو کبھی کہہ نہ سکا قند!
 مشکل ہے کہ اک بندہ حق میں حق اندیش
 خاشاک کے تو دے کو کہے کوہ دماوند
 ہوں آتشِ نمرود کے شعلوں میں بھی خاموش
 میں بندہ مومن ہوں نہیں دانہ اسپند
 پر سوز و نظر باز و نکو ہیں و کم آزار
 آزاد و گرفتار و تہی کیسہ و خور ستمد
 ہر حال میں میں راہِ اولیٰ بے قسہ و خرم
 کیا چھینے گا غنچے سے کوئی ذوقِ شکر خند!
 چپ رہ نہ سکا حضرتِ یزداں میں بھی اقبال
 کرتا کوئی اس بندہ گستاخ کا منہ بند

اعلیٰ حضرت شہید امیر المومنین نادر شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کے لطف و کرم سے نومبر ۱۷۷۳ء میں
معصوف کو حکیم ستانی غزنوی کے مزار مقدس کی زیارت نصیب ہوئی یہ چند انکار پر بیناں جن
میں حکیم ہی کے ایک مشہور قصیدے کی پیروی کی گئی ہے اور اس روز سید کی یادگار میں پیر قلم کے گئے
”ما از پئے سنائی و عطا را مدیم“

سما سکتا نہیں پہنائے فطرت میں مرا سودا
غلط تھا اے جنوں شاید ترا اندازہ صحرا !
خودی سے اس طلسم رنگ و بو کو توڑ سکتی ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھانے میں سمجھا !
نکھ پیدا کر اے غافل تجلی عین فطرت ہے
کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا !
رقابت علم و عرفاں میں غلط بینی بزمبری !
کہ وہ حلاج کی سوئی کو سمجھا ہے رقیب اپنا
خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں
زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا
نہ کر تقلید اے جبریل میرے جذب و مستی کی
تن آساں عیشیوں کو ذکر و تسبیح و طواف اہل
بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے میخانے
یہاں سنا ہی نہیں پیدا وہاں بے ذوق ہے صہبا

نہ ایران میں رہے باقی نہ توران میں رہے باقی
 وہ بندے فقر تھا جن کا ہلاک قیصر و کسریٰ
 یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
 گلیم بوڑو و دلچاویں و چپا و رزہ ہرا
 حضور حق میں اسرائیل نے میری شکست کی
 یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کر نہ دے پرپا
 نہ آئی کہ آشوب قیامت سے یہ کیا کم ہے
 گرفتہ چینیاں حیرام و نئی خفتہ و رطل
 لبالب شیشہ تہذیب حاضر ہے لکاسی
 مگر ساتی کے ہاتھوں میں نہیں پیسا نہ الا
 دبار کھا ہے اس کو زخمہ ور کی تیز دستی نے
 بہت نیچے سروں میں ہے ابھی یورپ کا داویلا
 اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موج تند جولاں بھی
 نہنگوں کے تشیمین جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا
 غلامی کیا ہے؟ ذوق حسن و زیبائی سے محرومی
 جسے زیبا کہیں آزاد بندے ہے وہی زیبا
 بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
 کہ دنیا میں فقط مردانِ حرکت کی آنکھ ہے بینا

۵۔ یہ مصرعِ حکیم ستائی
 کا ہے

وہی ہے صاحب امروز جس نے اپنی ہمت سے
 زمانہ کے سمندر سے نکالا گوہر فردا
 فرنگی شیشہ گر کے فن سے پتھر ہو گئے پانی
 مری اکسیر نے شیشے کو بخشی سفتی حنا را
 یہ ہیں اور ہیں فرعون میری گھٹائیں لبتک
 مگر کیا عم کہ میری آستیں میں ہے یہ بھیا
 وہ چنگاری جس کا خاک سے کس طرح دب جائے
 جسے حق نے کیا ہو میسٹال کہ واسطہ پیدا
 محبت خویش بنی محبت خویشتن داری
 محبت آستان قبضہ و کسری سے بے پروا
 عجب کہا گرمہ و پردیں مرے پتھر ہو جائیں
 کہ برقرار صاحب دور لستہ ہو خود را
 وہ دانائے سبیل ختم الزلزل مولائے گل جن نے
 غبار راہ کو بخشا فرغ وادی سینا
 نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
 وہی تیرا اس وہی فرقاں وہی سیر ہی طلبا
 ستانی کے ادب سے میں نے غواستی نہ کی ورنہ
 ابھی اس بحر میں باقی ہیں اکھواں لو لوئے لالا

(۲) یہ مصرعہ ازاد صاحب کا ہے جس میں صحت ایک لفظی ترمیم کیا گیا ہے۔

۲

یہ کون غزلخواں ہے پر سوز و نشاط انگیز
اندیشہ دانا کو کرتا ہے جسوں آمیز
گو فقر بھی رکھتا ہے انداز ملو کا نہ
ناچتہ ہے پردیزی بے سلطنت پردیز
اب حجرہ صوفی میں وہ فقر نہیں باقی
خون دل شیراں ہو جس فقر کی دستاویز
اے حلقہ درویشاں وہ مرد خدا کیسا
ہو جس کے گریباں میں ہنگامہ رستاخیز
جو ذر کی گرمی سے شعلے کی طرح روشن
جو فکر کی سرعت میں بجلی سے زیادہ تیز
کرتی ہے ملکیت آثارِ حسنوں پیدا
اللہ کے نشتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز
یوں داد سخن مجھ کو دیتے ہیں عراق و فارس
یہ کافر ہندی ہے بے تیغ و سناں تریز

۳

وہ حسرت راز کہ مجھ کو سکھا گیا ہے جنوں
خدا مجھے نفس جبریل دے تو کہوں

ستارہ کی مری تقدیر کی خبر دے گا
 وہ خود فرائضِ افلاک میں ہے خوار و زبیل
 حیات کیا ہے؟ خیال و نظر کی مجذوبی
 خودی کی موت ہے اندیشہ پائے گوناگوں
 عجب مزا ہے مجھے لذتِ خودی دے کر
 وہ چاہتے ہیں کہ میں اپنے آپ میں نہ رہوں
 ضمیر پاک و نگاہِ بلند و مستیِ شوق
 نہ مال و دولتِ قاروں نہ فکرِ افلاطون
 سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
 کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں
 یہ کائنات ابھی نامتِ کام ہے شاید
 کہ آ رہی ہے دامِ صدائے کن فیکون
 علاجِ آتشِ رومی کے سوز میں ہے ترا
 تری خرد پہ ہے غالبِ فرغلیوں کا فسون
 اسی کے فیض سے میری نگاہ ہے روشن
 اسی کے فیض سے میرے سبیل میں ہے جیچوں

عالم آب خاک باد استریاں ہے تو کہ میں؟
 وہ جو نظر سے ہے نہاں اس کا جہان ہے تو کہ میں؟
 وہ شب و روز و سنوزم کہتے ہیں زندگی جسے
 اس کی سحر ہے تو کہ میں؟ اس کی اذان ہے تو کہ میں؟
 کس کی نمود کے لئے شام و سحر ہیں گرم سیر
 شانہ روزگار پر بارگراں ہے تو کہ میں؟
 تو کون خاک ہے بھرا میں کون خاک و خود نگرا
 گشت وجود کے لئے آب روان ہے تو کہ میں؟

(کندن میں لکھے گئے)

تو ابھی رہ گزریں ہے قید مقام سے گذر
 مصر و حجاز سے گذر یا رس و شام سے گذر
 جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
 حور و خیام سے گذر بادہ و جام سے گذر
 گرچہ ہے دلکش بہت حسنِ فرنگ کی بہار
 طائر کب بلند بال و ایزد و ام سے گذر
 کوہِ شگن تیری ضربِ تجھ سے کشادہ و غر
 تیغِ ہلال کی طرح عیشِ نیام سے گذر

تیرا امام بے حضور تیری نماز بے سرور
ایسی نماز سے گذر ایسے امام سے گند

۴
امین راز ہے مردانِ حصر کی درویشی
کہ جبرئیل سے ہے اس کو نسبتِ خوشی
کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے؟
فقیرِ صوفی و شاعر کی ناخوشِ اندیشی
نگاہِ کرم کہ شیروں کے جس سے ہوشِ بھال
نہ آہِ سرور کہ ہے گو سفند و میشی
طیبِ عشق نے دیکھا مجھے تو سرمایا
ترامض ہے فقط آرزو کی بے میشی
وہ شے کچھ اور ہے کہتے ہیں جانِ پاک جسے
یہ رنگ و نم یہ ہوا آب و نال کی ہے بیشی

۵
پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن
جھکو پھر نغموں پہ اکسائے لگا مرغِ چین
پھول ہیں صحرائیں یارِ پریاں قطارِ اندر قطار
اودے اودے نیلے نیلے پیلے پیلے سیرین
برگِ گل پر رکھی شبنم کا موتی بادِ صبح
اور چمکاتی ہے اس موتی کو سورج کی کرن

حسَن ہے پرو کو اپنی بے نقسائی کے لئے
 ہوں اگر شہروں سے بند پڑے تو شہر اچھے کہ بن
 لینے من میں ڈوب کمر ہا جا شراپِ زندگی
 تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن !
 من کی دنیا؟ من کی دنیا سوز و مستی حذبِ شوق
 تن کی دنیا؟ تن کی دنیا سود و سوداگر دُفن !
 من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
 تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جلا ہون
 من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج
 من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن
 پانی پانی کر گئی بجو قلنسہ در کی بات
 تو جھکا جب غیبر کے لگے نہ من تیرا نہ تن

(کابل میں مجھے گئے)

مسلمانوں کے لبوں میں ہے سلیقہ دل نوازی کا
 مروتِ حسنِ ظالمگیر ہے مردانِ غازی کا
 شہ کایت ہے مجھے یاربِ خداوندانِ مکتب سے
 سبقِ شہا بن بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

بہت مدت کے گنجیروں کا انداز نگہ بدلا
کہ میں نے فاش کر ڈالا طریقہ شاہ بازی کا
قلندر جزوِ وحوش لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا
حدیث بادہ و مینا و جام آتی نہیں مجھ کو
نہ کرفار اشکافوں سے تقاضا شیشہ سازی کا
کہاں سے تو نے لے اقبال سیکھی ہر یہ درویشی
کہہ چا پادشاہوں میں ہے تیری بے نیازی کا

عشق سے بد انوائے زندگی میں زیر و بم
عشق سے منی کی تصویروں میں سوز و مہم
آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
شاخ گل میں جس طرح بادِ سحر گاہی کا خم
اپنے رزاق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیسرے گدا دار و جم
دل کی آزادی شہنشاہی، شکم سامانِ متوا
فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم
اے مسلمان اپنے دل سے پوچھو، ملا سے نہ پوچھو
ہو گیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم

۱۰

دل سوز سے خالی ہے، نگہ پاک نہیں ہے
 پھر اس میں عجب کیا کہ تو بے پاک نہیں ہے
 ہے ذوقِ تجلی بھی اسی حناک میں پنہاں
 خالِ اوترا صاحبِ ادراک نہیں ہے
 وہ آنکھ کہ ہے سرمہ افسرنگ سے روشن
 پرکارِ سخن ساز ہے، منتِ اک نہیں ہے
 کیا صوفی و ملا کو خبر میسر جنوں کی
 ان کا سرِ دامن بھی ابھی چٹاک نہیں ہے
 کب تک ہے محکومیِ انجم میں مری خاک
 یا میں نہیں باگردِ شمسِ افلاک نہیں ہے
 بجلی ہوں نظیرِ کوہِ بیاباں پہ میری
 میرے لئے شایاں خس و خاشاک نہیں ہے
 عالم ہے فقط مومنِ جانبِ از کی میراث
 مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے
 ہزارِ خون ہو لیکن زباں ہو دل کی رسیق
 یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
 فقط یہ بات کہ پیرِ مفاں ہے مردِ خلیق
 علاجِ ضعف یقیناً ان سے ہو نہیں سکتا
 غریب اگرچہ ہیں رازی کے نکتہ ہائے دقیق
 مریدِ سادہ تور و روع کے ہو گیا تائب
 خدا کرے کہ طے شیخ کو بھی یہ توصیف
 اسی طلسم کہن میں اسیر ہے آدم
 بغل میں اس کی ہیں اب تک تباہ و برباد
 مرے لئے تو ہے اقرار باللیاں بھی بہت
 ہزار شکر کہ ملا ہیں صاحبِ تصدیق
 اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
 نہ ہو تو مردِ مسلمان بھی کافر و منافق

۱۲

پوچھ اس سے کہ مقبول ہے فطرت کی گواہی
 تو صاحبِ منزل ہے کہ جھٹکا ہوا راہی
 کافر ہے مسلمان تو نہ شاہی نہ فقیری
 مومن ہے تو کرتا ہے فقیری میں بھی شاہی

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا
 مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی
 کافر ہے تو ہے تابع تقدیرِ مصلحت
 مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیرِ الہی
 میں نے تو کیا پردہ اسرار کو بھی چاک
 دیرینہ ہے تیرا مرض کو زنگاہی

(قلب میں اچھے کیے)

یہ غورِ بالِ فرنگی دل و نظر کا حجاب
 بہشتِ مغربیاں جلوہ ہائے پایہ رکاب
 دل و نظر کا سفینہ سنبھال کر لے جا
 مہ و ستارہ ہیں بحرِ وجود میں گرداب
 جہانِ صوت و صدا میں سما نہیں سکتی
 لطیفہ ازلی ہے نغمہ ان چنگِ ریاب
 سکھا دیے ہیں اسے شیوہ ہائے خالق
 فقیہ شہر کو صوفی نے کر دیا ہے خراب
 وہ سجدہ روحِ زمین جس سے کانچا پی تھی
 اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

سنی نہ مصر و فلسطین میں وہ اذال ہیں
 دیا تھا جس نے پہاڑوں کو عرشہ سیما
 ہوائے قسطلہ شاید یہ ہے اثر تیرا
 مری نوا میں ہے سوز و سرور عہد شباب

۱۴

دل بیدار فاروقی، دل بیدار گزاری
 مرس آدم کے حق کی کیا ہے دل کی بیداری
 دل بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
 نہ تیری ضرب ہے کاری، نہ میری ضرب ہے کاری
 مشام تیز سے ملتا ہے محسوس میں نشان سکا
 ظن و تخمین سے ہاتھ آتا نہیں آہوئے تائاری
 اس اندیشے سے ضبط آہیں کرتا رہوں کب تک
 کہ تیغ زادے نہ لپیائیں تری قسمت کی چوگاری
 خداوند ایہ تیرے سادہ دل بندے کھر جلیں
 کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری
 مجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی
 کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری

تو اے مولائے شریف آپ میری چارہ ساری کر
میری دانش ہے افزائی مرا ایسا ہے زنجاری

۱۵

خودی کی شوخی و تنہائی میں کبر و ناز نہیں
جونا زہو بھی تو بے لذت نیست از نہیں
نگاہ عشق دل زندہ کی تلاش میں ہے
شکارِ مرده سزاوار شاہباز نہیں
میری نوا میں نہیں ہے ادائے محبوبی
کہ بانگِ صویر اسرافیل دل نواز نہیں
سوال ہے نہ کروں ساقی فرنگ سے میں
کہ طریقہ زندانِ پاک باز نہیں
ہوئی نہ عام جہاں میں کبھی حکومتِ عشق
سبب یہ ہے کہ محبت زمانہ ساز نہیں
اک اضطرابِ مسلسل غیاب ہو کہ حضور
میں خود کہوں تو مری داستانِ دراز نہیں
اگر ہو ذوقِ تو خلوت میں چڑھ زبورِ عجم
فغانِ نیم شبی بے نوائے راز نہیں

۱۶
 میر سپاہ ناسزا لشکریاں شکستہ صف
 آدہ تیر نیم کش جس کا نہ ہو کوئی بدن
 تیرے محیط میں کہیں گویا سر زندی ہیں
 ڈھونڈ چکا میں موج موج دیکھ چکا صدن صدن
 عشق بتاں سے ہاتھ اٹھا اپنی خودی میں ڈوب چکا
 نقش و نگار دیر میں خون جگر نہ کرتلف
 کھول کے کیا بیاں کروں سر مقام مرگ عشق
 عشق ہے مرگ با شرف ہر گز حیات بے شرف
 صحبت پیر و دم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
 لاکھ حکیم سر عجیب، ایک کلیم سر بکف
 مثل کلیم ہوا اگر مفسر کہ آزماس کوئی
 اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ لکھنؤ
 خیونہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ
 سر رہ میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

۱۷
 (درد پ میں لکھے گئے)
 زمستانی ہوا میں گر چہ تھی شمشیر کی تیزی
 نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سخن تیزی

کہیں سرِ پایہ محفلِ تھی میری گرم گفتاری
 کہیں سب کو پریشاں کر گئی میری کم آ میری
 ز نام کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا
 طلق کوہ کن میں بھی وہی جیسے ہیں پر دہی
 جلالِ پادشاہی ہو کچھ ہوری تمسا شاہو
 جدا ہو دیں سیاست کو تو رہ جاتی ہے جنگیزی
 سوادِ رومۃ الکبریٰ میں دلی یاد آتی ہے
 وہی عبرت وہی عظمت وہی شانِ لایذی

۱۸
 یہ دیر و کہن کیسا ہے؟ انہا رخسِ خاشاک
 مشکل ہے گذر اس میں بے نالہ آتشِ ناک
 پنچیرِ محبت کا قصہ نہیں طولانی
 لطفِ غلشِ پیکار، آسودگیِ فراق
 کھو یا گیا جو مطلب ہفتاد و در دولت میں
 سمجھ کا نہ توجہ تک بیرنگ نہ ہو اور اک
 اک شرعِ مسلمانی۔ اک جذبِ مسلمانی
 ہے جذبِ مسلمانی سرِ فلک الافلاک

اے رہرو فسر زانہ بے جذب مسلمان
 نے راہ عمل پیدا نے شاخ یقین نناک
 رمزیں ہیں محبت کی گستاخی و بے پاکی
 ہر شوق نہیں گستاخ ہر جذب نہیں بیباک
 نارغ تو نہ ملیے گا محشر میں جنوں میرا
 یا اپنا گریباں چاک یاد امن یزداں چاک

۱۹
 کمال ترک نہیں آب و گل سے مجھوری
 کمال ترک ہے تنخیر خاک کی دھوری
 میں اے فقر سے اے اہل حلقہ ہاں آیا
 تمہارا فقر ہے بے دولتی اور نجوری
 نہ فقر کے لئے موزوں نہ سلطنت کے لئے
 وہ قوم جس نے گنوا یا مستاع تیموری
 سننے نہ ساتی ہوش تو اور بھی اچھٹا
 عیار گرمی صحبت ہے حزن معذوری
 حکیم دعا رون و مہوئی تما مست ظہور
 کسے خبر کہ تجلی ہے عین مستوری

وہ ملتفت ہوں کچھ نفس بھی آزادی
 نہ ہوں تو صحنِ حین بھی مقامِ مجبوری
 بڑا نہ مان ذرا آزمائے کے دیکھ اسے
 فرنگِ دل ہے خسرابیِ خرد کی معمولی

۲۰

عقل کو آستیاں سے دُور نہیں
 اس کی تقدیر میں حضور نہیں
 دل بیتاب بھی کر خدا سطلب
 آنکھ کا نورِ دل کا نور نہیں !
 عِلم میں بھی سرور ہے لیکن
 یہ وہ جنت ہے جس میں نور نہیں
 کیا غضب ہے کہ اس زمانے میں
 ایک بھی صاحبِ سرور نہیں
 اک جنوں ہے کہ باشعور بھی ہے
 اک جنوں ہے کہ باشعور نہیں !
 نامِ مجبوری ہے زندگیِ دل کی !
 آہ وہ دل کہ نامِ مجبور نہیں

بے حضوری ہے تیسری موت کا لاز
 زندہ ہو تو تو بے حضور رہیں !!
 ہر گھسرنے صدف کو توڑ دیا
 تو ہی امادہ ظہور نہیں !!
 آرزو میں بھی کہہ رہا ہوں مگر
 یہ حدیث کلیم طور نہیں

۲۱

خودی وہ بحر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں
 تو آججوا سے سمجھا اگر تو چہارہ نہیں
 طلسم گنبد گردوں کو توڑ سکتے ہیں
 زجاج کی عمارت ہے سنگ خاؤ نہیں
 خودی میں ڈوبتے ہیں پھر ابھر ہی آتے ہیں
 مگر یہ حوصلہ مروہ سیاح کارہ نہیں !
 ترے مقام کو انجسم شناس کیا جانے
 کہ خاک زندہ ہے تو تابع ستارہ نہیں
 یہیں بہشت بھی ہے حور و جبریل بھی ہے
 تری نگہ میں ابھی شوخی نظر ارہ نہیں

مرے جنوں نے زمانے کو خوب پہچانا
وہ پیرِ مہن مجھے بخشا کہ پارہ نہیں !
غضب ہے عینِ کرم میں خلیلِ فطرت
کہ غسلِ ناب میں آتش تو ہر شہ را نہیں
۲۲

یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبح کا ہی !
کہ خودی کے عسارِ فوں کا ہے مقامِ پادہی
تری زندگی اسی سے تری آبرو اسی سے !
جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو درسیا ہی
نہ دیا نشانِ منزل مجھے اے حکیمِ فونے
مجھے کیا گلہ ہو تجھ سے تو نہ رہِ نشینِ راہی !
مرے حلقہٴ سخن میں ابھی زیرِ سمیت ہیں
وہ گدا کہ جساتے ہیں رہِ و رسمِ کجِ کلاہی !
یہ معاملے ہیں نازک جو تری رصا ہو تو کر
کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریقِ خانقاہی
تو ہما کہے شکاری ابھی ابستہ ہے تیری
نہیں مصلحت سے خالی یہ جہانِ مرغِ دہی

تو عرب ہو یا عجم ہو ترا لا الہ الا
لغت غریب جب تک ترا دل نہ دے گوہی

۲۳

تری نگاہِ نسر و مایہ ہاتھ ہے کوتاہ
ترا گنہ کہ تحیلِ بلسند کا ہے گناہ؟
گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا ایلہ الا اللہ
خودی میں گم ہے خدائی تلاش کی غافل
یہی ہے تیرے لئے اب صلاح کار کی راہ
حدیثِ دل کی درویشِ بے کلیم سے پوچھا
خدا کرے تجھے تیرے مقام سے آگاہ!
برہنہ سر ہے تو عزمِ بلسند سپدا کر
یہاں فقط سر شاہیں کے واسطے ہے کلاہ
نہ ہے ستارے کی گردش نہ بازئی افلاک
خودی کو موت ہے تیرا زوالِ نعمتِ جاہ
اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک
نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ

۲۴
 خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
 ترا علاجِ نظر کے سوا کچھ اور نہیں
 ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
 حیاتِ ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں
 گراں بہا ہے تو حفظِ خودی سے ہے ورنہ
 گہر میں آبِ گہر کے سوا کچھ اور نہیں
 رگوں میں گردشِ خوں ہے اگر تو کیا حاصل
 حیاتِ سوزِ جگر کے سوا کچھ اور نہیں
 عروسِ لالہ بمناسب نہیں ہے مجھ سے حجاب
 کہ میں نسیمِ سحر کے سوا کچھ اور نہیں
 جسے کساد سمجھتے ہیں تا جسیرانِ فرنگ
 وہ شے متاعِ ہنر کے سوا کچھ اور نہیں
 بڑا کریم ہے اقبالِ بے نوا لیکن
 عطاءئے شعلہ شہر کے سوا کچھ اور نہیں

لگاؤ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے
 خراج کی جو گد اہودہ قیصری کیا ہے
 بتوں سے تجھ کو امیدیں، خبر اسے نو میدی
 مجھے بتا تو سہی اور کانفسری کیا ہے
 فلک نے اُن کو عطا کی ہے خواجگی کہ جنہیں !
 خبر نہیں روشِ بندہ پروری کیا ہے
 فقط لگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
 نہ ہونگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے
 اسی خطا سے عتابِ ملوک ہے مجھ پر
 کہ چانتا ہوں مالِ سکندری کیا ہے
 کسے نہیں ہے تمنائے سروری لیکن
 خودی کی موت ہو جس میں وہ مری کیا ہے
 خوش آگئی ہے جہاں کو قلندری میری
 وگرنہ شعر مرا کیا ہے شاعری کیا ہے

۲۶

نہ توڑیں کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے
 جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے
 یہ عقل و دل میں مشرر شعلہ محبت کے
 وہ خار و خس کے لئے ہے یہ نیستاں کے لئے
 مقام پرورشِ آہ و نالہ ہے یہ چہن
 نہ سیر گل کے لئے ہے نہ آشیاں کے لئے
 ہے گاراوی و نیل و فرات میں کبتک
 ترا سفینہ کہ ہے بحیرہ کراں کے لئے
 نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
 ترس گئے ہیں کسی مردِ راہِ داں کے لئے
 نگہ بلند سخنِ دل نواز، جہاں پر سوز
 یہی ہے رختِ سفر میر کا رواں کے لئے
 وراسی بات تھی اندیشہ عجم نے اُسے
 بڑھا دیا ہے فقط زیبِ داستاں کے لئے
 مرے گلوں میں ہے اک نغمہ جیڑیل آشوب
 سنبھال کر جسے رکھا ہے لامکاں کے لئے

۲۷

تو اے اسیرِ مکاں لامکاں سے دُور نہیں
 وہ جلوہ گاہ ترے خالداں سے دُور نہیں
 وہ مرغزارِ کہیم خسراں نہیں جس میں
 غمیں نہ ہو کہ ترے آشیاں سے دُور نہیں
 یہ ہے خلاصہ علم قلندرِ کجیات
 خدنگ جستہ ہے لیکن کماں سے دُور نہیں
 فضا تری مہ دیرویں سے ہے ذرا آگے
 قدم اٹھایہ مقام آسماں سے دُور نہیں
 کہے نہ راہِ سنا سے کہ چھوڑ دے مجھ کو
 یہ بات راہِ رو نکستہ واں سے دُور نہیں

۲۸

(لوہاں میں کھجے گئے)

خرد نے مجھ کو عطا کی نظرِ حکیمانہ
 سکھائی عشق نے مجھ کو حدیثِ زندانہ
 نہ بادہ ہے نہ صحرایہ نہ دورِ پیمانہ
 نگاہ سے رنگیں ہے بزمِ جاناں نہ

مرے نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
 کہ میں ہوں محسوسم رازِ دروں میخانہ
 کلی کو دیکھ کہ ہے تشنہ نسیمِ سحر
 اسی میں ہے مرے دل کا تمام افسانہ
 کوئی بتائے مجھے یہ غیب اب ہے کہ حضور
 سب آشنا ہیں یہاں ایک میں ہوں بیگانہ
 فرنگ میں کوئی دن اور بھی ٹھہر جاؤں
 مرے جنوں کو سنبھالے اگر یہ دیرانہ
 مقامِ عقل سے آساں گزر گیا اقبال
 مقامِ شوق میں کھویا گیا وہ فرزانہ

۲۹

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
 کرتے ہیں خطابِ آخر اٹھتے ہیں جوابِ آخر
 احوالِ محبت میں کچھ فسق نہیں لیم
 سوز و تنہا تابِ اول سوز و تنہا تابِ آخر
 میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ اُم کیا ہے
 شمشیر و سناں اول طاؤسِ اربابِ آخر

میں انہی یورپ کے دستور نزلے ہیں
لاتے ہیں سرور اول دیتے ہیں شراب آخرا
کیا بد بدیہ نادر کیب آشوکت تیموی
ہو جاتے ہیں سب دوسرے غرق مے ناب آخرا
خلوت کی گھڑی گزری خلوت کی گھڑی
چھٹنے کو ہے بجلی سے آغوش سما آخرا
تھا ضبط بہت مشکل اس سیل معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرار کتاب آخرا

۳۲

ہر شے مسافر ہر چیز راہی
تو مرد میدان تو میر لشکر
کچھ قدر اپنی تو نے نہ جانی
دنیا ئے دلوں کی کب تک غلامی
کیا چاند تارے کیا مرغ و ماہی
نور می حضوری تیرے سپاہی
یہ بے سواد می یہ کم نگاہی
یارا ہنسبی کر یا پادشاہی
پیر حرم کو دیکھتا ہے میں نے
کردار بے سوز! گفتار و ماہی

۳۱

ہر چیز ہے محو خود نمائی ہر ذرہ شہید کبریائی

بے ذوق نمود زندگی موت تعمیر خودی میں ہے حسدائی
 رائی روز خودی سے پر بہت پر بہت ضعف خودی سے رائی
 تارے آوارہ و کم آمیز تقدیر وجود ہے حسدائی
 یہ پھیلے پر کارزد روچاند بے راز دنیا از آشنائی
 تیزی تسدیل ہے ترادل تو آپ ہے اپنی روشنائی
 اک تو ہے حق ہے اس چہا میں باقی ہے نمود سیمائی

میں عقدہ کشایہ خار مہرا
 کم کر گلہ برہنہ پائی

اعجاز ہے کسی کا یا گردشِ زمانہ
 ٹوٹا ہے ایشیا میں سحرِ فرنگیانہ
 تعمیر آشیاں سے میں نے یہ راز پایا
 اہل نوا کے حق میں بجلی ہے آشیانہ
 یہ بندگی خدائی، وہ بندگی گدائی
 یا بندہ خدا بن یا بندہ زمانہ

غافل نہ ہو خودی سے کراپنی پاسبانی
 شاید کسی حسرم کا تو بھی ہے آستانہ
 اے لا الہ کے وارث باقی نہیں تھے میں
 گفتار و بسرانہ کردار قاہسرانہ
 تیری نگاہ سے دل بسینوں میں کانپتے تھے
 کھویا گیا ہے تیرا جذب قلندرانہ
 راز حسرم سے شاید اقبال باخبر ہے
 ہیں اس کی گفتگو کے اندازِ مجرمانہ

۳۳

خردمندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے
 کہ میں اس فکر میں رہتا ہوں میری انتہا کیا ہے
 خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
 خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے
 مقامِ گفتگو کیا ہے اگر میں کیمیا گر ہوں
 یہی سوزِ نفس ہے اور میری کیمیا کیا ہے

نظر آئیں مجھ تقدیر کی گہرائیاں اس میں
 نہ پوچھ اے ہم نشیں مجھ سے وہ چشم سرمہ سنا کیل ہے
 اگر ہوتا وہ مجھ زوہ فرنگی اس زمانے میں
 تو اقبال اس کو سمجھتا مکتب کبریا کیا ہے
 نوائے صبح گاہی نے جگر خوں کر دیا میرا
 خدا یا جس خطا کی یہ سزا ہے وہ خطا کیا ہے

۳۴

جب عشق بسکھاتا ہے آداب خود آگاہی
 کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی
 عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزنوی ہو
 کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی
 نو مبد نہ ہو ان سے اے رہبرِ فرزانہ
 کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی

۵۔ جرمنی کا مشہور مجذوب فلسفی نطشہ جو اپنے قلبی واردات کا صحیح انداز نہ کر سکا۔ اس لئے اس کے فلسفیانہ افکار نے اسے غلط راستہ پر ڈال دیا۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے متواچھی!
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی
دارا و سکندر سے وہ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں ہوئے اسد الہی
آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

۳۵

مجھے آہ و فغانِ نیم شب کا پھر پیہ آ یا
تھم اے رہرو کہ شاید پھر کوئی مشکل مقام آ یا
ذرا تقدیر کی گہرائیوں میں ڈوب جا تو بھی
کہ اس جنگاہ سے میں بن کے تیغ بنیا آ یا
یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محرابِ مسجد پر
یہ ناداں گر گئے سجدوں میں جب وقتِ قیام آ یا
چل اے میری غریب کا تماشا دیکھنے والے
وہ محفل اٹھ گئی جس دم تو مجھ تک دو رجھام آ یا

دیا اقبال نے ہندی مسلمانوں کو سونا پنا
 یہ ایک مردِ تن آسا تھا تن آسانوں کے کام آیا
 اسی اقبال کی میں جستجو کرتا رہا برسوں
 بڑی مدت کے بعد آخر وہ شاہینِ زیرِ دام آیا

۳۶
 نہ ہو طغیانِ مشتاقی تو میں رہتا نہیں باقی
 کہ میری زندگی کیا ہے یہی طغیانِ مشتاقی
 مجھے فطرتِ نوا پر پے بہ پے مجبور کرتی ہے
 ابھی محفل میں ہے شاید کوئی دردِ آشنا باقی
 وہ آتشِ آج بھی تیرا نشمین بھونک سکتی ہے
 طلبِ صادق نہ ہو تیری تو مجھ پر کیا شکوہ ساقی
 نہ کر افرنگ کا اندازہ اس کی تابناکی سے
 کہ بجلی کے چراغوں سے ہے اس جوہر کی براقی
 دلوں میں دلوں لے آفاق گیری کے نہیں اٹھتے
 نگاہوں میں اگر پیدا نہ ہو اندازِ آفتابی

خزاں میں بھی کب آپ سکتا تھا میں صیاد کی زد میں
میری غماز تھی شاخِ نشیمن کی کم اور راتی
الٹ جائیں گی تدبیریں بدل جائیں گی تقدیریں
حقیقت ہے نہیں میرے تخیل کی خیلائی

۳۷

فطرت کو خسرو کے روبرو کر تسخیر مقامِ رنگ و بو کر
تو اپنی خودی کو کھو چکا ہے کھوئی ہوئی شے کی جستجو کر
تاروں کی فضا ہے بیکرا نہ تو بھی یہ مقامِ آرزو کر
عُریاں ہیں ترے چمن کی حوریں چاکِ گل و لالہ کو رفو کر

بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت
جو اس سے نہ ہو سکا وہ تو کر

۳۸

یہ پیرانِ کلیسا حسمِ اے وائے مجبوری
صلہ ان کی کد کاوش کا ہے سینوں کی بونوری

یقین پیدا کرے ناداں یقین سے ہاتھ آتی ہے
 وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے نفعوری
 کبھی حیرت کبھی مستی کبھی آہ سحرگاہی
 بدلتا ہے ہزاروں رنگ میرا درد مجبوری
 حیدر اک سے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی
 سمجھ میں اس قدر آیا کہ دل کی موت سے دوری
 وہ اپنے حسن کی مستی میں ہیں جھوٹو پیدائی
 مری آنکھوں کی مینائی ہیں اسباب توری
 کوئی تقدیر کی منطق سمجھ سکتا نہیں ورنہ
 نہ تھے ترکانِ عثمانی سے کم ترکانِ مجبوری
 فقیرانِ حرم کے ہاتھ اقبال آگیا کیونکر
 میسر میر و سلطان کو نہیں شاہین کا فوری

۲۹

تازہ پھر دانش حاضر نے کیا سحرِ قدیم
 گذر اس عہد میں مسکن نہیں بے چوبِ کلیم

عقل عیار ہے سو بھیس بنالیتی ہے
 عشق بپارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم
 عیش منزل ہے غریبانِ محبت پہ حرام
 سب مسافر میں بظاہر نظر آتے ہیں مقیم
 ہے گراں سیر غم را حسلہ و زاد سے تو
 کوہ و دریا سے گذر سکتے ہیں مانند نسیم
 مرد و روش کا سرمایہ ہے آزادی و مرگ
 ہے کسی اور کی خاطر یہ نصاب و زور و نسیم

۴۰

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں	ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں
ہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں	یہاں سیکڑوں کا رداں اور بھی ہیں
قناعت نہ کر عالم رنگ بو پر	چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں
اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم	مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا	ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رجبا	کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب مرے راز دل اور بھی ہیں
(فرائس میں لکھے گئے)

ڈھونڈ رہا ہے فرنگ عیش جہاں کا دوام
وائے تمنائے خام! وائے تمنائے خام
پیر حرم نے کہا سن کے مری روئداد
پختہ ہے تیر سی فغاں اپنے دل میں تمام
تھا ارنی گو کلیم، میں ارنی گو نہیں
اس کو تقاضا روا مجھ پہ تقاضا حرام
گرچہ ہے افشائے راز اہل نظر کی فغاں
نہو نہیں سکتا کبھی شیوہ رندانہ عام
حلقہ صوفی میں ذکر بے غم ویے سوز و ساز
میں بھی رہا تشنہ کام تو بھی رہا تشنہ کام
عشق تری اتہا، عشق مری اتہا
تو بھی ابھی نام تمام، میں بھی ابھی نام تمام

آہ کہ کھویا گیا تجھ سے فقیری کاراز
 در نہ ہے مالِ فقیر سلطنتِ روم و شام

خودی ہو علم محکم تو غیبتِ جبریل!
 اگر ہو عشق سے محکم تو صورِ اسرافیل
 عذابِ دانشِ حاضر سے باخبر ہوں میں!
 کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیل
 فریبِ خوردہ منزل ہے کارواںِ ورنہ
 زیادہ راحتِ منزل سے ہے نشاطِ حریل
 نظر نہیں تو مرے حلقہٴ سخن میں نہ بیٹھ
 کہ نکتہ ہائے خودی ہیں مثالِ تیغِ اصیل
 مجھے وہ درسِ فرنگ آج یاد آتے ہیں
 کہاں خضوریٰ لذت کہاں حجابِ لیل
 اندھیری شب ہے جدا اپنے قافلے سے ہے تو
 ترے لئے ہے مرا شعاعِ نواقتِ بیل

غریب و سادہ ورنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتداء ہے اسماعیلؑ

۴۳

ملکتوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے؟
خانقاہوں میں کہیں لذتِ اسرار بھی ہے؟
منزلِ راہِ رواں دور بھی دشوار بھی ہے؟
کوئی اس قافلہ میں قافلہ سالار بھی ہے؟
بڑھ کے خمیر سے ہے یہ معسر کہ دین و وطن
اس زمانہ میں کوئی حیدرِ کرار بھی ہے؟
علم کی حد سے پرے بندہٴ مومن کے لئے
لذتِ شوق بھی ہے نعمتِ دیدار بھی ہے؟
پیرِ میخانہ یہ کہتا ہے کہ ابو الٰہِ فرنگ
سست بنیاد بھی آئینہ دیوار بھی ہے؟

۴۴

حادثہ وہ جو ابھی پردہٴ افلاک میں ہے
 عکس اس کا مرے آئینہٴ ادراک میں ہے
 نہ ستارے میں ہے نہ گردشِ افلاک میں ہے
 تیری تقدیر مرے نالہٴ بے باک میں ہے
 یا مری آہ میں کوئی شہرِ زندہ ہے
 یا ذرا تم ابھی تیسے رخِ خاشاک میں ہے
 کیا عجب میری نوا یا بے سحر گہری سے
 زندہ ہو جائے وہ آتشِ جوتری خاک میں ہے
 توڑ ڈالے گی یہی خاک طلسمِ شب و روز
 گہرے ابھی ہوئی تقدیر کے پیچاک میں ہے

۴۵

رہا حلقہٴ مونی میں سوزِ مشتاقی
 فسانہٴ ہائے کرامات رہ گئے باقی
 خراب کو شکِ سلطان و خانقاہِ فقیری
 فغاں کہ تخت و مہمندی کمالِ رزاقی

کرے گی داؤد محشر کو شرمسار اک روز
 کتاب صوفی و ملاکی سادہ اور لائق
 نہ چینی بو عربی وہ نہ رومی و شامی
 سہا سکا نہ دوعالم میں مرد آفتابی
 ہے شبانہ کی مستی تو ہو چکی لیکن
 کھٹک رہا ہے دلوں میں کرشمہ سانی
 چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کرا
 کہ نہ ہر بھی کبھی کرتا ہے کار تر یاقی
 عزیز تر ہے متاع امیسر و سلطان سے
 وہ شعر جس میں ہو حبیلی کا سوز بانی
 ہوا نہ زور سے اس کے کوئی گریباں چاک
 اگرچہ مغربوں کا جنوں بھی تھا چالاک
 ہے یقین سے خمیر حیات سے پرسوز
 نصیب مدرسہ یارب یہ آب آشناک
 عروج آدم حنا کی کے منتظر ہیں تمام
 یہ کمشان یہ ستارے یہ نیلگوں فلاک

یہی زمانہ حاضر کی کائنات ہے کیا
 دماغ روشن و دل تیرہ و نگہ بے باک
 تو بے بصر ہو تو یہ مانع نگاہ بھی ہے
 وگرنہ آگ ہے مومن جہاں خس و خاشاک
 زمانہ عقل کو سمجھا ہوا ہے مشعل راہ
 کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحبِ دراک
 جہاں تمام ہے میراثِ مردِ مومن کی
 مرے کلام پہ حجت ہے نکتہ لؤلؤ

۴۷

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہرِ یک دانہ
 یک رنگی و آزادی اسے ہمتِ مردانہ
 یا سنجر و طغرل کا آئین جہانگیر ہی
 یا مردِ قلندر کے اندازِ ملوکانہ
 یا حیرتِ نازِ آبی یا تاب و تبِ روحی
 یا فکرِ حکیمانہ یا جذبِ کلیمانہ
 یا عقل کی روباہی یا عشقِ یدِ الہی
 یا حیلہ انسرِ نجی یا حملہ ترکانہ

یا شرع مسلمان فی یادیر کی دربان
یا نعرہ مستانہ کعبہ ہو کہ تجنا نہ
میری میں فقیری میں شاہی میں غلامی میں
کچھ کام نہیں بنتا بے جرأت رندانہ

۴۸

نہ تخت و تاج میں نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے
غنیمت کہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیل
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے
وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا
یہ سنگِ خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے
منہ دستار سے آگے مقام ہے جس کا
وہ مشیتِ خاک ابھی آوارگانِ راہ میں ہے
خبر ملی ہے خدایانِ بحر و بر سے مجھے !
فرنگِ رہ گزیرِ سیلِ بے پناہ میں ہے
تلاش اس کی فضاؤں میں کر نصیب اپنا
جہاں تازہ مری آہِ صبح گاہ میں ہے

مے کدہ کو غنیمت سمجھ کہ بادہ ناب
نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خالقہ میں ہے

۴۹

نطرت نے نہ بخشا مجھے اندیشہ چالاک
رکھتی ہے مگر طاقت پر داز مری خاک
وہ خاک کہ ہے جس کا جنوں صیقل ادراک
وہ خاک کہ حیرت کی ہے جس سے قبا چاک
وہ خاک کہ پروائے نشیمن نہیں رکھتی
چنتی نہیں پہنائے جمن سے خس و خاشاک
اس خاک کو اللہ نے بخشے ہیں وہ آنسو
کرتی ہے چمک جن کی ستاروں کو عرفناک

۵۰

کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد!
مری نگاہ نہیں سوئے کوثر و بغداد
یہ مدرسہ یہ حوال یہ سرور و رعنائی
انہیں کے دم سے سے میخانہ فرنگ آباد

نہ فلسفی سے نہ ملا سے ہے غرض مجھ کو
یہ دل کی موت! وہ اندیشہ و نظر کا فساد
فقیہہ شہر کی تحقیق! کیا مجال مری
مگر یہ بات کہ میں ڈھونڈتا ہوں دل کی کشاد
خرید سکتے ہیں دنیا میں عشرت پر ویز
خدا کی دین ہے سرمایہ غم فریاد
کئے ہیں فاش رموزِ قلب درسی میں
کہ فکر مدرسہ و خانقاہ ہو آزاد
رشتی کے فیاقوں سے ٹوٹا نہ بہن کا حلسم
عصانہ ہو تو کلیسیا ہے کارِ بے بنیاد

۵۱

کی حق سے فرشتوں نے اقبال کی غمازی!
گستاخ ہے کرتا ہے فطرت کی حسابتندی
خاک ہے مگر اس کے انداز ہیں افلاک
رومی ہے نہ شامی ہے کاشمی نہ سمرقندی
سیکھلائی فرشتوں کو آدم کی تڑپ اس نے
آدم کو سیکھاتا ہے آدابِ خداوندی!

۵۲

نے مہرہ باقی نے مہرہ بازی
روشن ہے جام جمشید اب تک
دل ہے مسلمان میرا نہ تیرا
میں جانتا ہوں انجام اس کا
ترکی بھی شیریں تازی بھی شیریں!
آؤر کا پیشہ حنا تراشی
جیتا ہے روتی ہارا ہے رازی
شاہی نہیں ہے یہ شیش بازی
تو بھی نمازی میں بھی نمازی
جس معکے میں ملا ہوں غازی
حرف محبت ترکی نہ تازی
کار خلیل حنا راگدازی

تو زندگی ہے پائندگی ہے
باقی ہے جو کچھ سب خاک بازی

۵۳

گرم فغاں ہے جس اٹھ کہ گیا قافلہ
وائے وہ رہسرو کہ ہے منتظر راحلہ
تیری طبیعت ہے اور تیرا زمانہ ہے اور
تیرے موافق نہیں حنا نقبی سلسلہ
دل ہو عن سلام خرد کہ ایام خرد
سالک رہ ہوشیار سخت ہے یہ مرحلہ
اس کی خودی ہے ابھی شام و سحر میں اسیر
گردش دوران کل ہے جس کی زباں پر گلہ

تیرے نفس سم ہوئی آتش گل تیز تر
مرغ چمن ! ہے ہی تیری نوا کا صلہ

۵۴

مری نوا سے ہوئے زندہ عارف و عوامی
دیا ہے میں نے انہیں ذوق آتش آشامی
حرم کے پاس کوئی اعجمی ہے زمزمہ سنج
کہ تار تار ہوئے جسامہ ہائے احرامی
حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری
بدلتے رہتے ہیں انداز کوئی و شامی
مجھے یہ ڈر ہے مقامِ میں پنختہ کا بہت
نہ رنگ لائے کہیں تیرے ہاتھ کی خامی
عجب نہیں کہ مسلمان کو پھر عطا کر دیں
شکوہِ سنج و نقسِ جبرِ سیدِ لبطامی
قبائے علم و ہنرِ لطفِ خاص ہے درنہ
تری نگاہ میں کھی میری ناخوش اندامی

۵۵

ہر اک مقام سے آگے گذر گیا مہ نو
کمال کس کو میسر ہوا ہے بے تنگ و دو
نفس کے زور سے وہ غنچہ وا ہوا بھی تو کیا
جسے نصیب نہیں آفتاب کا پرتو
نگاہ پاک ہے تیری تو پاک ہے دل بھی
کہ دل کو حق نے کیا ہے نگاہ کا پیرو
پنپ سکا نہ خیا باں میں لالہ دل سوز
کہ سازگار نہیں یہ جہان گندم جو
رہے نہ آئیک و غور می کے معر کے باقی
ہمیشہ تازہ و شیریں ہے نغمہ خسرو

۵۶

کھونہ جا اس سحر و شام میں لے صاحب پوش
اک جہاں اور بھی ہے جس میں نہ فراہ نہ دوش
کس کو معلوم ہے ہنگامہ فسردا کا مقام
مسجد و مکتب و مے خانہ ہیں مدح و ثنوش
میں نے پایا ہے اسے اشک سحر گاہی میں
جس در تاب سے خالی ہے صدف کی آغوش

نہ تہ زیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہیں
چہرہ روشن ہو تو کیا حاجت گلگونہ فروش
لہا جب ساز کو لازم ہے کہ غافل نہ ہے
گا ہے گا ہے غلط آہنگ بھی ہوتا ہے سرور

۵۷

تھا جہاں مدرسہ شیریں و شاہنشاہی
آج ان خالقوں میں ہے فقط رو باہی
نظر آئی نہ مجھے تافلہ سالاروں میں
وہ شبانی ہے کہ تہید کلیم الہی!
لذتِ نغمہ کہاں مرغِ خوش اچاں کے لئے
۵۷ اس باغ میں کرتا ہے نفس کو تباہی
ایک سرمستی و حیرت ہے سراپا تاریک
ایک سرمستی و حیرت ہے تمام آگاہی
صفتِ برق چمکتا ہے مرا فکرِ بلند
کہ بھٹکتے نہ پھر میں ظلمتِ شب میں راہی

۵۸

ہے یاد مجھے نکتہ سلسلہ ان خوش آہنگ
دنیا نہیں مردانِ جفاکش کے لئے تنگ

سعودی سلطان محمد بن سعودی قذافی کا نام لیا ہے جو خانیہ لاہور میں پیدا ہوا تھا۔
سلطان۔

جیتے گا جسک چپائے شاہیں کا جتس
 جی سکتے ہیں بے روشنی دانش و فرنگ
 کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے تو بہ
 بلبل فقط آواز ہے، طاؤس فقط رنگ

۵۹

فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ
 فقر ہے میر وں کا میر فقر ہے شاہوں کا شاہ
 علم کا مقصود ہے پاکی عقل و خبر
 فقر کا مقصود ہے عفت قلب و نگاہ
 علم فقیر و حکیم فقر سیح و کلیم
 علم ہے جو یائے راہ فقر ہے دانائے راہ
 فقر مقام نظر، علم مقام خبر
 فقیر میں مستی ثواب، علم میں مستی گناہ
 علم کا موجود اور فقر کا موجود اور
 اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ
 چڑھتی ہے جب فقر کی سالن پہ تیغ خودی کا
 ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کار سپاہ

دل اگر اس خاک میں زندہ و بیدار ہو
تیسری نگہ توڑ دے آئینہ مہر و ماہ

۶۰
کمال جو شش جنوں میں رہا میں گرم طوان
خدا کا شکر سلامت رہا حرم کا خلافت
یہ اتفاق مبارک ہو مومنوں کے لئے
کہ یک زبان فقیہان شہر میرے خلافت
ترپ رہا ہے فلاطون میان غیب و حضور
ازل سے اہل خرد کا مقام ہے اعوان
ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف
سرور سوز میں ناپائدار ہے ورنہ
مے فرنگ کا تہ جرحہ بھی نہیں نا صاف

۶۱
شعور و ہوش و خرد کا معاملہ ہے عجیب
مقام شوق ہیں سب دل و نظر کے قریب
میں جانتا ہوں جماعت کا شکر کیا ہوگا!
مسائل نظری میں الجھ گیا ہے خطیب

اگرچہ میرے نشین کا کر رہا ہے طواف
مری نوا میں نہیں طائرِ حین کا نصیب
سنائے میں نے سخن رس ہے ترکِ عثمانی
سنائے کون اسے اقبال کا یہ شعر غریب
سمجھ رہے ہیں وہ یورپ کو ہم جو اراپنا
ستارے جن کے نشین سے ہیں زیادہ قریب

رباعیات

ظلامِ جہنم میں کھو کر سنبھل جا
تڑپ جا بیچ کھا کھا کر بدل جا!

نہیں ساحلِ تری قسمت میں کچھ
مہرِ کرب جس طرف چاہے نکل جا!

وہ رسمِ حرمِ نامحرمانہ
کلیسا کی اداسودا گرا نہ!

تبرک ہے مرا یہ بے ابنِ چاک!
نہیں اہلِ جنوں کا یہ زمانہ

مکانی ہوں کہ آزاد مکان ہوں؟
جہاں میں کچھ دوسرا جہاں ہوں؟
وہ اپنی لامکانی میں ہیں مست
بچے اتنا بتا دیں میں کہاں ہوں؟

خودی کی غلطیوں میں گم رہا ہوں
خاک کے سامنے گویا نہ تھا میں!
نہ دیکھا آکھ اٹھا کر جلوہ دوست
قیامت میں تماشائے گپا میں

پریشاں کار و بار آشنائی
پریشاں ترمی رنگین نوائی
کبھی میں ڈھونڈتا ہوں لذتِ وصل
خوش آتا ہے کبھی سوزِ جدائی!

یقین مثل غلیل آتش نشینی!
یقین اللہ مستی خود گزینی!!
سن لئے تہذیبِ حاضر کے گرفتار
ملائی سے تہذیبِ بے یقینی

غیب کے سنوئیں ساز مجھ ہے
حرم کار از تو حبیبِ مرام ہے
تہی و حسرت سے ہے اندیشہِ غم
کہ تہذیبِ فرنگی ہے حرم ہے

ہر اک ذرہ میں ہے شاید مکینِ دل
اسی جلوت میں ہے جلوتِ نشینِ دل
اسیرِ دوش و فردا ہے وہ یکین
غلامِ گردشِ دورانِ نہیںِ دل

کوئی دیکھے تو مپری نے نوازی
نفسِ ہستری مقامِ نعمتِ نوازی
نگہِ لودہ اندازِ افسانہ
طبیعتِ غزنویِ قیمتِ ایازی

ترا اندیشہِ افسانہ کی نہیں ہے
تری پروازِ لولائی نہیں ہے
پہ مانا آئینہ شامی ہے تری
تری آئینوں میں پیا کی نہیں ہے

نہ مومن نہ کفر کی امیری
رہا مونی ہی روشنی امیری
خدا سے کھوئی قلب نظر مانگ
نہیں نہ کن امیری بے فیری!

نہ کبھی ہوئی ہے رنگ و بو
خرد کھوئی جی ہے چار سو
چھوڑے دل فغان صبح کا ہی!
اماں شاید ملے اللہ ہو میں!

خودی کی جلو توں میں مصطفائی
خودی کی خلوتوں میں کبر پائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش
خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

جس ال عشق و مستی نے نوازی
جس ال عشق و مستی بے نیازی
کس ال عشق و مستی طعن چید
زوال عشق و مستی حق آزادی

وہ میرا رونق محفل کہاں ہے
 مری بجلی مراحہ صلی کہاں ہے
 مقام اس کلے دل کی خلوتوں میں
 خدا جانے مقام دل کہاں ہے

سوارِ ناتواں مجھ سے نہیں ہیں
 نشانِ جاوید ہوں منزل نہیں ہیں
 مری تقدیر سے فنا شاہک سواری
 فقط بجلی ہوں میں احسا نہیں ہیں

ترسے سینے میں دم ہے دل نہیں ہے
 ترا دم گرمی محفل نہیں ہے
 گزر جائے عقل سے آگے کہ یہ نور
 چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

ترا جوہر ہے نوری پاک ہے تو
 فرغِ دیدہ افلاک ہے تو
 ترسے صیدِ زیوں فرشتہ و عور
 کر شاہینِ شہِ لولاک ہے تو

محبت کا جنوں پانی نہیں ہے
مسلمانوں میں لپائی نہیں ہے
صفیں کچھ دل پریشاں بھیجے بے ذوق
کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

خودی کے زور سے دنیا پر چھاپنا
مقام رنگ و بو کا راز پانا
بزرگ بکرتا حل آتش نارا
کوب حل سے دامن کھینچتا جا

چمن میں رخت گل شبنم سے تیز ہے
سین ہے سبز ہے بادِ بحر ہے
مگر ہنگامہ ہو سکتا نہیں گرم
یہاں کا لالہ بے سوز جگر ہے

خود سے راہِ درویشی بصر ہے
خود کیا ہے؟ چراغِ رگزار ہے
درون خانہ ہنگامے میں کیا کیا
چراغ رہ گزر کو کیا تجربہ ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

دُعَا

(مسجدِ قطبہ میں لکھی گئی)

ہے ہی میری نماز ہے ہی میرا وضو!
میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا ہوا!
صحبتِ اہل صفِ انور و حضورِ سرور
سرخوش در سوز ہے لالہ لب آبجو!
راہِ محبت میں ہے کون کسی کا رفیق
ساتھ نہ رہ گئی ایک مری آرزو!
میرا نشین نہیں درگم میرا وزیر
میرا نشین بھی تو شاخِ نشین بھی تو!
تجھ سے گریباں مرا مطاعِ صبحِ نشور
تجھ سے مرے سینے میں آتشِ اللہ ہوا

تجھ سے مری زندگی سوز و تپ درد و داغ
 تو ہی مری آرزو تو ہی مری جستجو !
 پاس اگر تو نہیں شہر ہے ویراں تمام
 تو ہے تو آباد ہیں اجڑے ہوئے کلاں و کوا
 پھر وہ شہر اب کہن مجھ کو عطا کر کہ میں
 ڈھونڈ رہا ہوں اُسے توڑ کے جام و سبوا
 چشمِ کرم ساقیا دیر سے ہیں منتظر
 جلوتیوں کے سبُو مخلوتیوں کے کدوا
 تیری حسدائی سے ہے میرے جنوں کو گلہ
 اپنے لئے لامکاں میں کھینچ لئے چار سو !
 فلسفہ و شعر کی اور حقیقت ہے کیا
 حرفِ تمنا جسے کہہ نہ سکیں رو برو !

دمِ عارف نسیمِ صہبدم ہے || اسی سے ریشہ معنی میں نم ہے
 اگر کوئی شعیبؑ آئے میسر || شبانی سے کلیسیا دو قدم ہے

مسجدِ قطب

(ہسپانیہ کی سرزمین بالخصوص قرطبہ میں لکھی گئی)
 سلسلہ روز و شب نقشِ گرجا و ثنات
 سلسلہ روز و شب اصلِ حیات و موات
 سلسلہ روز و شب تارِ حسرت پر درنگ
 جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائِلِ صفات
 سلسلہ روز و شب سازِ ازل کی فعال
 جس سے دکھاتی ہے ذاتِ زیرِ دم ممکنات
 تجھ کو پرکھتا ہے یہ، مجھ کو پرکھتا ہے یہ
 سلسلہ روز و شب صیرفیِ کائنات
 تو ہو اگر کم عیار میں ہوں اگر کم عیار
 موت ہے تیری برات، موت ہے میری برات
 تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
 ایک زمانہ کی روح میں نہ دن نہ رات

آنی دفتانی تمام معجزہ ہائے ہنر
 کار جہاں بے ثبات، کار جہاں بے ثبات
 اوّل و آخر فنِ باطن و ظاہر فنا
 نقش کہن ہو کہ نو منزلِ آخر فنا

ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثباتِ دوام
 جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام
 مردِ خدا کا عمل عشق سے صافِ روغ
 عشق ہے اصلِ حیاتِ ہوت، اس پر حرام
 تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
 عشق خود ایک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھا
 عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا
 اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
 عشق دمِ جبریل، عشق دلِ مصطفیٰ
 عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام

عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے مہمانِ خام عشق ہے کاس الکرام
عشق نفیہ حرم عشق امیر جنود
عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزاروں مقام

عشق کے مضراب سے نغمہ تار حیات

عشق سے نور حیات عشق سے تار حیات

لے حرم قسربہ! عشق سے تیرا وجود
عشق سراپا دوام جس میں نہیں رُفت بود
رنگ ہو یا خشت و سنگ ہنگ یا حرف صو
معجزہ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود
قطرہ خونِ جگر سل کو بناتا ہے دل
خونِ جگر سے صدا سوز و سرور و سرود
یتری فضا دل فروز میری نوا سینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود

عرشِ معلے سے کم سینہ آدم نہیں
 گرچہ کفِ خاک کی حالت سپہر کی بود
 پس کونوری کو ہے سجدہ پیش تو کیا
 اس کو پیش نہیں سوز و گدازِ سجود
 کافر ہندی ہوں میں دیکھ مرادوق و شوق
 دل میں صلوة و درود لبِ صلوة و درود!

شوق مری لے میں ہے شوق مری میں ہے

نغمۃ اللہ ہو میرا گروے میں ہے

تیرا جلال و جمال مرد خدا کی دلیل
 وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل
 تیری بنا پائدار تیرے ستوں بے شمار
 شام کے صحرائیں ہو جیسے ہجومِ نخیل
 تیرے در و بام پر وادیِ امین کا نور
 تیرا منار بلند جلوہ گاہِ بریں

مٹ نہیں سکتا کبھی مرو مسلمان کہ ہے
 اس کی اذانوں سے فاش بر کلیم و خلیل
 اس کی زبیں بے حد و اس کا انق بے شغور
 اس کے سمندر کی موج و جبل و دیوب و نیل
 اس کے زمانے عجیب اس کے فضا نے غریب
 عہد کھن کو دیا اس نے پیام رحیل
 ساقی ارباب ذوق، نارس میدان شوق
 بادہ ہے اس کا حقیق تیغ ہے اس کی اکیل

مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا اِلٰہ
 سایہ شمشیر میں اس کی پنہ لا اِلٰہ

تجھ سے ہوا آشکار بے بند ہموں کا راز
 اس کے دنوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز
 اس کا مقام بلند اس کا خیال عظیم
 اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیا زلکا ناز

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
 غالب و کار آفرین کار کشا کار ساز
 خاکی و نور می نہا و بندہ مولا صفات
 ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
 اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد خلیل
 اس کی ادا و قریب اس کی نگہ و نواز
 رزم دم گفت گو گرم دم جستجو
 رزم ہو یا بزم ہو پاک دل پاک باز
 نقطہ پر کار حق مرد حق اکالین
 اور یہ عالم تمام وہم و غلسم و مجاز

عشق کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ

حلقہ آفاق میں گرمی محفل ہے وہ

کعبہ ارباب فن اسطوت دین مبیں
 تجھ سے حرم مرتبت اندلیسوں کی زین

ہے تیرے گردوں اگر حسن میں تیری نظیر!
 قلب مسلمان میں ہے اور نہیں کئے کہیں!
 آہ وہ مردانِ حق! رہے سرِ شہسوار
 حائل "خلقِ عظیم" صاحبِ صدق و یقین
 جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمزِ غریب
 سلطنتِ اہلِ دل نقر ہے شاہی نہیں
 جن کی نگاہوں نے کی ترتیبِ شرق و غرب
 ظلمتِ یورپ میں تھی جن کی خبرِ دراہ میں
 جن کے لہو کی طفیل آج بھی ہیں اندلسی
 خوش دل و گرم اختلاطِ سادہ درویشانِ حبیب!
 آج بھی اس دس میں عام ہے چشمِ غزال
 اور زنگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں!
 بوئے مین آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے
 رنگِ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے
 دیدہ انجم میں ہے تیری زمین و آسمان
 آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے اذال!

کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
 عشق بلا خیز کا قافلہ سخت جاں
 دیکھ چکا الٹی شورش اصلاح دیں!
 جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشاں
 حرف غلط بن گئی عصمت پیر کنشت
 اور ہوئی فکر کی کشتی نازک رواں
 چشم فرانسس بھی دیکھ چکی انقلاب
 جس سے دگرگوں ہوا مغربیوں کا جہاں
 ملت رومی نثار کہنہ پرستی سے پیر
 لذت تجلید سے وہ بھی ہوئی پھر جواں
 روح مسلمان میں ہے آج وہی اضطراب
 رازِ خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زباں

دیکھئے اس بحر کی تہ سے اچھلتا ہے کیا
 گنبد نیلوفر می رنگ بدلتا ہے کیا
 وادی کہسار میں غرق شفق ہے سنا
 لعل بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب

سادہ و پر سوز ہے دختِ دردِ ہمال کا گیت
 کشتیِ دل کے لئے سیل ہے عہدِ شباب
 آپ روانِ کبشیرا تیرے کٹائے کوئی
 دیکھ رہا ہے کسی اور زمین کے خواب
 عالمِ نوستہ ابھی پردہٴ تقدیر میں
 میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر ہے حجاب
 پردہٴ اٹھا دوں اگر چہ سرہٴ انکار سے
 لانہ سکے گا فرنگِ میرے نواؤں کی تاب
 جس میں نہ ہو انقلابِ موت ہے وہ زندگی
 روحِ ام کی حیاتِ کشمکشِ انقلاب
 صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ نوم
 کرتی ہے جو ہر زمان اپنے عمل کا حساب

نقش ہیں سبِ ناتمامِ خونِ جگر کے بغیر
 نغمہ ہے سودائے خامِ خونِ جگر کے بغیر

قید خانہ میں معتد کی فریاد

معتد اشبیلہ کا بادشاہ اور عرفی شاعر تھا۔ ہسپانیہ کے ایک حکمران نے اس کو شکست دے کر قید میں ڈال دیا تھا۔ معتد کی نظمیں انگریزی میں ہو کر وزڈوم آف دی ایسٹ سیریز میں شائع ہو چکی ہیں۔

اک فغان بے شر رسینے میں باقی رہ گئی
سوز بھی رخصت ہوا جاتی رہی تاثیر بھی
مردِ حر زنداں میں ہے بے نیزہ و شمشیر آج
میں پشیاں ہوں پشیاں ہے مری تدبیر بھی
خود بخود زنجیر کی جانب کھینچا جاتا ہے دل!
تھی اسی نولاد سے شاید مری شمشیر بھی
جو مری تیغ و دودم تھی اب مری زنجیر ہے
شوخی و بے پرداہے کتنا حق تقدیر بھی

عبدالرحمن اول کا بویا ہوا کھجور کا پہلا درخت سرزمین اندلس میں

یہ اشعار جو عبدالرحمن اول کی تعریف سے ہیں تاریخ القری میں درج ہیں مگر جو ذیل آمدند
نظم ان کا آزاد ترجمہ ہے (درخت مذکور مدینۃ الزہراء میں بویا گیا تھا)

میری آنکھوں کا نور ہے تو میرے دل کا سرور ہے تو
اپنی وادی سے دور ہوں میں میرے لئے غل طور ہے تو
مغرب کی ہوائ نے تھکوپالا صحرائے عرب کی حور ہے تو
پردیس میں ناصبور ہوں میں پردیس میں ناصبور ہے تو

غربت کی ہوا میں بارور ہو

ساتی تیرا بزم سحر ہو

عالم کا عجیب ہے نظارہ دامن نگہ ہے پارہ پارہ
ہمت کو شناساوری مبارک پیدا نہیں بجز کاکتارہ
ہے سوز دروں سے زندگانی! اٹھتا نہیں خاک سے شرارہ
صبح غریب میں اور چمکا! ٹوٹا ہوا شام کا ستارہ

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے

مومن کا مقام ہر کہیں ہے

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے || وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و سر باقی وج || یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

ہسپانیہ

(ہسپانیہ کی سرزمین میں لکھے گئے) (واپس آتے ہوئے)
ہسپانیہ تو خونِ مسلمان کا امیں ہے
اندر حرمِ پاک ہے تو میری نظر میں
پوشیدہ تری خاک ہیں سجدوں کے نشاں
خاموش اذانیں ہیں تری بادِ سحر میں
روشن تھیں ستاروں کی طرح انگی سنائیں
خیمے تھے کبھی جن کے ترے لوہ و کس میں
پھر تیرے حسینوں کو ضرورت ہے جنا کی؟
باقی ہے ابھی رنگِ مرے خونِ جگر میں
کیونکر خس و خاشاک سے دب جائے مسلمان
مانا وہ تب و تاب نہیں اس کے شر میں
غناط بھی دیکھا مری آنکھوں نے لیکن
تسکینِ مسافر نہ سفر میں نہ حضر میں

دیکھا بھی دکھایا بھی، سنا یا بھی سنا بھی
ہے دل کی تسلی نہ نظر میں نہ خبر میں

کھلے جاتے ہیں اسرارِ نہائی گپ اور حدیثِ لہنِ ترائی
ہوئی جس کی خودی پہلے نمودار وہی ہمدی وہی آخر زمانِ

طارق کی دعا

(اُندلس کے مہد ان جنگ میں)

یہ غازی تیرے پر اسرارِ بست
دو نیم اُن کی ٹھوکر سے صحرِ اودریا
جہنم تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مال غنیمت نہ کشورِ کشائی

خیاباں میں ہیں منتظرِ لالہ کب سے

قبایا ہے اس کو خونِ عرب سے

کیا تو نے صحرانِ شینوں کو یکتا
طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو
خبر میں، نظر میں، اذانِ سحر میں
وہ سوز اس نے پایا انہیں کے جگر میں
کشا و درِ دل سمجھتے ہیں اس کو
ہلاکت نہیں موت ان کی نظموں میں
دلِ مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے
وہ بجلی کہ تھی نصیرۂ لاتنِ زمیں

عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے
لگا ہر مسلمان کو تلوار کر دے

زمانے کی یہ گردش جساودانہ حقیقت ایک تو، باقی زمانہ
کسی نے دوشس دیکھا ہے نہ فروزا فقط امروز ہے تیرا زمانہ

لین

(خدا کے حضور میں)
اے افس و آفاق میں پیدا ترے آیات
حق پر ہے کہ ہے زندہ و پائندہ تری ذات
میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
ہر دم متغیر تھے خسرو کے نظریات
محرم نہیں فطرت کے سر و ازل سے
بینائے کو اکب ہو کہ دانائے نباتات
آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
میں جس کو سمجھا تھا کلیسا کے خرافات
ہم بند شب دروز میں جکڑے ہوئے بند
تو خالق اعصا روزگار زندہ آفات

اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
 حل کر رہ سکے جس کو حکیموں کے مقالات
 جب تک میں جیائیمہ اسلاک کے نیچے
 کانٹے کی طرح مجھ میں کشمکش رہی یہ بات
 گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
 جب روح کے اندر متلاطم ہول خیالات
 وہ کونسا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبود
 وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیرِ سماء و آب؟
 مشرق کے خداوند سفیدانِ فرنگی!
 مغرب کے خداوند درخشندہ فلزات
 یورپ میں بہت روشنیِ علم و تہ ہے
 حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
 رعنائیِ تعمیر میں رونق میں، صفائیں
 گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنگلوں کی عمارت
 ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں خواہے
 سود ایک کالا کھوں کے لئے مرگِ مفاجات
 یہ علم یہ حکمت یہ تدبیر یہ حکومت
 پیتے ہیں لہو دیتے ہیں نسیم مسادات

بیکاری و عسریاتی دے خواہی و افلاس
 کیا کم ہیں فسرنگی مدنیّت کے فتوحات
 وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
 حد اس کے کمالات کی ہے برق و نجات
 ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت
 احساسِ مرث کو کچل دیتے ہیں آلات
 آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
 تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیا مات
 میخانے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل!
 بیٹھے ہیں اسی فکر میں سپرانِ خرابات
 چہروں پہ جو سُرخِ نظر آتی ہے سرشام
 یا غارِ زہ ہے یا ساغرِ ویشاک کے کرامات
 تو قادر و عادل ہے مگر تیسرے جہاں میں!
 ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات
 کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
 دنیا ہے ترمی منتظرِ روزِ مکافات

فرشتوں کا گیت

عقل ہے بے زمام ابھی عشق ہے بے مقام ابھی !
 نقش گرازل ترا نقش ہے نامتو ابھی
 خلق خدا کی گھات میں زند و فقیر و میر و پیر
 تیرے جہاں میں ہے وہی گردش صبح و شام ابھی
 تیرے امیر مال مست، تیرے فقیر حال مست
 بندہ ہے کوچہ گرد ابھی خواجہ بلبند بام ابھی
 دانش و دین و علم و فن بندگی ہو س تمام
 عشق گرہ کشائے کانیض نہیں ہے عام ابھی
 جو ہر زندگی ہے عشق جو ہر عشق ہے خودی
 آہ کہ ہے یہ تیغ تیز پر دوئی نیام ابھی

فرمانِ خدا

(فرشتوں سے)

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
 کاخِ امراء کے در و دیوار ہلا دو !
 گریباؤ غلاموں کا لہو سوز یقیں سے
 کنجشکِ سر و پایہ کو شائیں لٹا دو
 سلطانِ آبی جہو رک کا آتا ہے زمانہ
 چون نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو
 جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
 اُس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلا دو
 کیوں خالق و مخلوق میں حائل ہیں پردے
 پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو
 حق را یہ سجود ہے، صنماں را بطواف
 بہتر ہے چراغِ حرم و دیر بجھا دو
 میں ناخوش و بینا رہوں مرمی بستوں ہے
 میرے لئے مٹی کا حرم اور بیتا دو
 تہذیبِ نومی کا رگہ سببِ شہ گراں ہے
 آدابِ جنوں شاعرِ مشرق کو سبکھا دو

حکیمی نامسلمان خودی کی کلیبی رمز پہن سانی خودی کی!
 تجھے گم فتنہ و شاہی کا بٹا دوں غریبی میں نگہبانی خودی کی

دوق و شوق

(ان اشعار میں سے اکثر فلسطین میں لکھے گئے)

در یخ آمدم ز اں ہمہ بوستاں تہی دست رفتن سوئے دوستاں

قلب و نظر کی زندگی و شست میں صبح کا سماں
 چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں!
 حسن ازل کی ہے نمود، چاک ہے پردہ وجود
 دل کے لئے ہزار سود ایک نگاہ کا زیاں
 سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحابِ شب
 کوہِ اشم کو دے گیا رنگ برنگ طلیساں
 گرد سے پاک ہے ہوا برگِ نخیل دھل گئے
 رنگِ نواح کا ظمہ نرم ہے مثلِ پرنیاں
 آئین بھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر!
 کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کا زماں

آئی صدائے جبریل تیرا مقام ہے یہی
 اہلِ سراق کے لئے عیشِ دوام ہے یہی

کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لئے مے حیات
 کہنہ ہے بزم کائنات تازہ ہیں میرے واروات
 کیا نہیں اور غزوی کار کہ حیات میں
 بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات
 ذکر عرب کے سوز میں فکر عجم کے ساز میں
 نے عربی مشاہدات نے عجیبی تخیلات
 قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں!
 گرچہ ہے تاب دار ابھی کیسویں دجلہ و فرات
 عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولین ہے عشق
 عشق نہ ہو تو شرع و دین بیت کدہ تصورات
 صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق
 معرکہ وجود میں بدر و حسین بھی ہے عشق
 آیہ کائنات کا معنی دیر باپ تو
 نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ بو
 جلو تیان مدرسہ کو رنگاہ و مردہ ذوق!
 جلو تیان مسکدہ کم طلب وہی کدو
 میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سرخ
 میری تمام سرگذشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

باد صبا کی موج سے نشوونما لئے خارخوس
 میرے نفس کی موج سے نشوونما لئے آرزو
 خون دل و جگر سے ہے میری نوا کی پرورش
 ہے رگ ساز میں رُواں صاحب ساز کا ہو
 فرصت کش کش مژدہ ایں دل بے قرار را
 یک دو شکن زیادہ کن کیسوئے تا بدار را
 لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
 گنبد آگینہ رنگ تیرے محیط میں حجاب
 عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
 ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب
 شوکتِ سنجد و سلیم تیرے جلال کی نمود
 فقر جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب
 شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
 میرا قیام بھی حجاب! میرا سجد بھی حجاب
 تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پائے
 عقل غیاب و جستجو! عشق حضور و اضطرار

تیرہ وتار ہے جہاں گردش آفتاب سے
طبع زمانہ تازہ کر جلوہ بے حجاب سے

تیری نظریں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم خلیل بے رطب
تازہ مرے ضمیر میں مغر کہ کہن ہوا
عشق تمام مصطفیٰ عقل تمام بولہب
گاہ چید می برد، گاہ بزور می کشد
عشق کی ابتدا عجب عشق کی انتہا عجب
عالم سوز و ساز میں وصل سوڑھکے ہے فراق
وصل میں مرگ آرزو ہجرت میں لذت طلب
عین وصال میں حوصلہ نظر نہ تھا
گرچہ بہسانہ جو رہی میری نگاہ بے ادب

گرمی آرزو و فراق! شورش بائے و ہو فراق
موج کی جستجو فراق! قطرہ کی آبر و فراق

پروانہ اور جگنو

پروانہ

پروانے کی منزل سے بہت دور ہے جگنو!
کیوں آتش بے سوز پہ مفسوس ہے جگنو!

جگنو

اللہ کا سوشکر کہ پروانہ نہیں میں
دریوزہ گر آتش بیگانہ نہیں میں

جاوید کے نام

خودی کے ساتر ہیں عمر جاوداں کا سراغ
خودی کے سوز سے روشن ہیں امتوں کے چراغ
یہ ایک بات کہ آدم ہے صاحب مقصود
ہزار گونہ فسارغ و ہزار گونہ فسارغ
ہوئی زلغ میں پیدا بلند پروازی
خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبت زلغ

حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جو اتنی ترسی رہے بے داغ
ٹھہر سکا نہ کسی خانقاہ میں اقبال
کہ ہے ظریف و خوش اندیشہ و شگفتہ و بلغ

گدائی

میکدے میں ایک دن ایک رند زیرک نے کہا
ہے ہمارے شہر کا والی گدائے بے حیا
تا ج پہنایا ہے کس کی بے کلاہی نے اُسے؟
کس کی عریانی نے بخشی ہے اُسے زریں قبا؟
اس کے آبِ لالہ گوں کی خون و ہنقاں سے شید
تیرے میرے کھیت کی مٹی ہے اس کی کیمیا
اس کے نعمت خانے کی ہر چیز ہے مائی ہوئی
نیے والا کون ہے؟ مردِ غریب بے نوا
مانگنے والا گدا ہے! صدقہ مانگنے چار ج
کوئی مانے یا نہ مانے میرے سلطان سب گدا

(ماخوذ از انوری)

ملا اور بہشت

میں بھی حاضر تھا وہاں ضبط سخن کرنے سکا
حق سے جب حضرت ملا کو ملا حکم بہشت
عرض کی میں نے الہی مری تفصیر مونا
خوش نہ آئیں گے اسے حور و شراب لب کشت
نہیں فردوس مقام جہل و قال و اقول
بہشت و تکرار اس اللہ کے بندے کی شہرت
ہے بدآموزی اقوام و میل کام اس کا
اور جہنت میں نہ مسجد نہ کلیسا نہ کنشت

دین و سیاست

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی	سماتی کہاں اس فقری میں میری
خصوصیت تھی سلطانی و لایبی ہیں	گروہ سر بلندی ہے یہ سر زیری
سیاست نے مذہب سے بچھا چھڑایا	چلی کچھ نہ پیسہ کلیسا کی پیروی
ہوئی دین و دولت میں جہدم جہلانی	ہوس کی امیری ہوس کی وزیری
دوئی ملک دیں کے لئے نامزدی	دوئی چشم تہذیب کی نابصیری
یہ اعجاز ہے ایک صحرانیشیں کا	بشیری ہے آئینہ دار ندیری

اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
کہ ہوں ایک جہنمی دار دشمنی

الارض للہ

پالتا ہے بچ کو مٹی کی تاریکی میں کون؟
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہوسحاب
کون لایا کھینچ کر پھینچ سم سے باد سازگار؟
خاک یہ کس کی ہے؟ کس کا ہے یہ نور آفتاب
کس نے بھری موتیوں سے خوشہ گندم کی جیب
موسموں کو کس نے سیکھا ملائی ہے خورے افلاک؟

دہشت رایا! یہ ترس تیری نہیں، تیری نہیں
تیرے آبا کی نہیں، تیسری نہیں، میری نہیں

ایک نوجوان کے نام

ترے سوئے ہیں، افریقی ترے تالیں ہیں، برائی
لہو مجھ کو زلاتی ہے، جوانوں کی تن آسانی
امارت کیا شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا مہل
نہ زور حیدری تجھ میں نہ استغناء سلطانی!

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی میں
کہ پایا میں نے استغنا میں مسراجِ مسلمانی!

عقابی رُوح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے اس کو اپنی منزلِ سہانوں میں
نہ ہو نومید، نومید زوالِ عیلم و عرفا ہے
امیدِ مردِ مومن ہے خدا کے راز دانوں میں

نہیں تیرا نشین قصرِ سلطانی کے گنبد پر!
تو شاہیں ہے! بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

نصیحت

بچہ شاہیں سے کہتا تھا عتابِ سائخورد
اے ترے شہپر پہ آساںِ رفعتِ چرخِ بریں
ہے شبابِ اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخِ زندگانی انگلیں
جو کبوتر پر چھٹنے میں مزا ہے اے پسر
وہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں بھی نہیں

لآلہ صحرائی

یہ گنبدِ مینائی! یہ عالمِ تنہائی
 مجھ کو تو ڈراتی ہے اس دشت کی پہنائی
 بھٹکا ہوا راہی میں، بھٹکا ہوا راہی تو
 منزل ہے کہاں تیری اے لآلہ صحرائی
 خالی ہے کلیں سے یہ کوہ و کمر ورنہ
 تو شعلہ سیمائی میں شعلہ سیمائی
 تو شاخ سے کیوں پھوٹا، ہمیں شاخ سے کیوں ٹوٹا
 اک جذبہ پیدائی! اک لذت بیکشائی
 غواصِ محبت کا اللہ نگہبیاں ہوا
 ہر قطرہ دریا میں دریا کی ہے گہرائی
 اس موج کے ماتم میں روتی ہے بھنوں کی آنکھ
 دریا سے اٹھی بسیکن ساحل سے نہ بکڑائی
 ہے گرمی آدم سے ہنکا مہ عالم گرم
 سورج بھی تم اشائی تارے بھی تماشاں
 اے بادِ بیابانی مجھ کو بھی عنایت ہو
 خاموشی و دل سوزی سرستی و رعنائی

یہ شعر نشاط اور دیر سوز و طیناک
گرتا ہے مرا جوش جنوں میری قبا چاک

اقبال نے کل اہل خیاباں کو ستایا
میں صورتِ گلِ دستِ صبا کا نہیں تاج

ساقی نامہ

ارم بن گنبد امن کو بہار
شہیدِ ازل لالہ خونین کفن
لہو کی ہے گردشِ رگِ سنگ میں
ٹھہرتے نہیں آشیاں میں طیور
اٹکتی لچکتی سرکتی ہوئی
بڑے پیچ کھٹاکر نکلتی ہوئی
پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ
سناتی ہے یہ زندگی کا پیام
کہ آتی نہیں فصلِ گلِ روزِ روز
وہ مے جس سے ہے مستی کائنات
وہ مے جس سے کھلتا ہے رازِ ازل

ہوا نیمہ زن کا روانِ بہار
گلِ دُرِ گس و سوسن و لستر
جہاں چھپ گیا پردہ رنگ میں
فضائی نیلی ہو امیں سرور
وہ جوئے کہستاں اچکتی ہوئی
اچھلتی پھسلتی سب نکلتی ہوئی
رکے جب تو سِل چیر دیتی ہے یہ
فرادیکھ اے ساقی لالہ نام
پلا دے مجھے وہ مئے پردہ سوز !!
وہ مے جس سے روشن ضمیرِ حیات
وہ مے جس میں ہے سوز و سازِ ازل

اٹھا سا قبا پردہ اس راز سے !
لڑا دے مولے کو شہباز سے

زمانے کے انداز بدلے گئے
ہوا اس طرح فاش راز فرنگ
پردانی سیاست گری خوار ہے
گیا دور سرمایہ داری گیا
گراں خواب چستی سنہلنے لگے
دل طور سینا و فاراں دہیم
مسلمان ہے تو حید میں گرجش
تمدن تصوف شریعت کلام
حقیقت خسرات میں کھو گئی
لبھاتا ہے دل کو کلام خطیب
بیاں اس کا منطق سے بچھا ہوا
و صوفی کہ تھا خدمت حق میں مزد
عجم کے خیالات میں کھو گیا

نسیا راگ ہے ساز بدلے گئے
کہ حیرت میں ہے شیشہ باز فرنگ
زمین میر و سلطان سے بیزار ہے
تاشا دکھاکر مداری گیا
ہمالہ کے چشمے ابلنے لگے !
تجلی کا پھر منتظر ہے کلیم
مگر دل ابھی تک ہے زنا پر پوش
بتان عجم کے کج باری تمام
یہ امت روایات میں کھو گئی
مگر لذت شوق سے بے نصیب
لغت کے بھیسڑوں میں الجھا ہوا
محبت میں یکتا حمیت میں فرد
یہ سالک مہتمات میں کھو گیا

بھی عشق کی آگ اندھیرا ہے

مسلمان نہیں راگہ کا ڈھیر ہے

دہی جہاں گردش میں لاساقیا
مری حناک جب گنوبت کر اڑا
جوانوں کو پیسروں کا استاد کر

شراب کہن پھر بلا ساقیا
مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا !!
خیرد کو غلامی سے آزاد کر

تقص اس بدن میں تھے دم سے ہے
 دل قریب سے سو زمرہ طریق دے
 تمنا کو سینوں میں بیدار کر
 زمیں نول کے شب زندہ دار دلی خیر
 مرا عشق میری نظر بخش دے
 یہ ثابت ہے تو اس کو سیار کر
 کہ تیرے نگاہوں میں ہے کائنات
 مرے دل کی پوشیدہ ہے تابیاں
 مری خلوتِ انجمن کی گداز
 امیریں مری جستجو میں مری
 غزلان افکار کا مرغزار
 گمانوں کے لشکر یقین کا ثبات
 اسی سے نقیریں میں ہوں میں امیر

مرے قافلے میں لٹا دے اسے

لٹا دے! ٹھکانے لگا دے اسے

ہر اک شے سے پیدا یم زندگی!
 کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موجِ درود
 خوش آئی اسے محنتِ آب و گل

ہر شیخ ملت ترے غم سے ہے
 ٹوٹنے پھوٹنے کی تو نسیق دے
 جگر سے وہی تیر پھر بار کر
 ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر
 جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے
 مری ناؤ گرداب سے پار کر
 بتا مجھ کو اسرارِ مرگِ حیات
 مری دیدہ ترم کی بے خوابیاں
 مرے نالہ نسیمِ شبِ کانیاز
 اسنکیں مری آرزو میں مری
 مری فطرتِ آئینہ روزگار
 میرا دل مری رزم گاہِ حیات
 یہی کچھ ہے ساقیِ مشاعرِ فقیر

وہ آدمِ رواں ہے یم زندگی!!
 اسی سے ہوئی ہے بدن کی نمود
 گر اں گرچہ ہے صحبتِ آب و گل

عناصر کے پھینک دینے سے بڑا بھی
مگر ہر کہیں بے چسگوں بے نظیر
اسی نے تراش ہے یہ سو منات
کہ تو میں نہیں اور میں تو نہیں
مگر عین محفل میں خلوت لیشیں
یہ چاندی میں سونے میں پارے ہیں
اسی کے ہیں کانٹے اسی کے ہیں پھول
کہیں اس کے پھندے میں جبریل حور
ہو سے چکوروں کے آلودہ چنگ

کبوتر کہیں آشیانے سے دور

پھر کتنا ہوا جال میں ناہمبور

تڑپتا ہے ہر ذرہ کائنات
کہ ہر لحظہ ہے تازہ شان وجود
نقطہ ذوق پر داز ہے زندگی
سفر اس کو منزل سے بڑھ کر پسند
سفر ہے حقیقت حاضر ہے مجاز
تڑپنے پھڑکنے میں راحت ہے
کٹھن تھا بڑا تھا امن موت کا

یہ ثابت بھی ہے اور سیار بھی
یہ وحدت ہے کثرت میں ہر دم اسیر
یہ عالم یہ بہت خانہ شش جہات
پسند اس کو مگر ار کی خو نہیں
من و تو سے ہے انجمن آفریں
چمک اس کی بجلی میں تارے ہیں
اسی کے بیباں اسی کے بول
کہیں اس کی طاقت سے کھسا چوہ
کہیں حسد شاہین سیما رنگ

فریب نظر ہے سکون و ثبات
ٹھہرتا نہیں کاروان وجود
سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی
بہت اس نے دیکھے ہیں پست و
سفر زندگی کے لئے برگ سناں
الچھ کر سلجھنے میں لذت اسے
ہو واجب اسے سامنا موت کا

اتر کر جہانِ مکافات میں
مذاقِ دودی سے بنی زوجِ زوج
گل اس شاخ سے ٹوٹتے بھی رہے
سمجھتے ہیں تاواں اسے یہ ثبات
بڑی تیز جولاں بڑی نمودرس
ازل سے ابد تک رم یک نفس

زمانہ کہ زنجیرِ ایام ہے
دموں کے لٹ پھیر کا نام ہے

یہ موجِ نفس کیا ہے تلوار ہے
خودی کیا ہے تلوار کی دھار ہے
خودی کیا ہے بیداری کا نوات
سمندر ہے اک بوندِ پانی میں بند
من و تو میں پیدا من و تو سے پاک
نہ خدا اس کے پیچھے نہ حد سامنے
ستم اس کی موجوں کی ہستی ہوئی
دامِ نگاہیں بدلتی ہوئی
سبک اس کے ہاتھوں میں سنگِ گراں
سفر اس کا انجام و آغاز ہے
کرن چاند میں ہے شہرِ سنگین
لے واسطہ کیا کم و بیش سے

خودی کیا ہے تلوار کی دھار ہے
خودی کیا ہے بیداری کا نوات
سمندر ہے اک بوندِ پانی میں بند
من و تو میں پیدا من و تو سے پاک
نہ خدا اس کے پیچھے نہ حد سامنے
ستم اس کی موجوں کی ہستی ہوئی
دامِ نگاہیں بدلتی ہوئی
پہاڑ اس کی ضربوں سے رنگِ رواں
یہی اس کی تقویم کا راز ہے
یہ بیرنگ ہے ڈوب کر رنگ میں
نشیب و فراز و پس و پیش سے

اڑل سے ہے یہ کش مکش میں اسیر ہوئی حناک آدم میں صورت پذیر
خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

خودی کے ٹھہراں کو ہے زہر ناب وہی ناں ہے اس کے لئے ارجمند
فسر و فانی محسوس ہو گزدر وہی سجده ہے لایق استقام
یہ عالم یہ ہنس گامہ رنگ و صورت یہ عالم یہ بت حنائی چشم و گوش
خودی کی یہ ہے منزل اولیں تری آگ اس خاکداس سے نہیں
بڑھے جایہ کو و گراں توڑ کر خودی شیر مولا جہاں اس کا صید
جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود! ہر ایک منتظر تیری یلغار کا
یہ ہے مقصد گردش روزگار تو ہے فاتح عالم خوب و زشت
حقیقت پر ہے جامہ حروف تنگ وہی ناں جس سے جاتی ہے اس کی آب
رہے جس سے دنیا میں گردن بلند خودی کو نگہ رکھ ایاز می نہ کر
کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام یہ عالم کہ ہے زیر نسران موت
جہاں زبیدی ہے فقط خور و نوش مسافر یہ تیرا نشیمن نہیں
جہاں تجھ سے ہے تو جہاں سے نہیں ظلم زمان و مکان توڑ کر
زمین اس کی صید آسمان اس کا صید کہ حنائی نہیں ہے ضمیر وجود
تری شوخی فکر و کردار کا کہ تیرسی خودی تجھ پہ ہو آشکار
تجھ کی باتاؤں تری سر نوشت حقیقت ہے آئینہ گفتار رنگ

نہ روزاں ہے سینے میں شمعِ نفس مگر تابِ گفتار کہنتی ہے بس
 اگر یک سرِ موعے بر تر پرم
 فریغِ سنجلی بسوزد پر مہ

زمانہ

جو تھا نہیں ہے جو ہو نہ ہو گا یہی ہو ایک حرفِ مجرمانہ
 قریب تر ہے خود جس کی اسی کا مشتاق ہے زمانہ
 مری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہیں
 میں اپنی لتبیج روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ
 ہر ایک سے آشنا ہوں لیکن جدا جدا رسم و راہ میری
 کسی کار اکب کسی کام کب کسی کو عبرت کا تازیانہ
 نہ تھا اگر تو شریکِ محفل، قصور میرا ہے یا کہ تیرا
 مرا طریقہ نہیں کہ رطلوں کسی کی خاطر مئے شبانہ
 مرے خم و پیچ کو بخجمی کی آنکھ پہچانتی نہیں ہے
 بدلتے سے بیگانہ تیرا اس کا نظر نہیں جسکی عارفانہ
 شفق نہیں مغربِ افق پر یہ جوئےِ خوب، ایہ جوئےِ خوں ہے
 طلوعِ فردا کا منظر رہ کہ دوش و امروزیہ ہے فسانہ

وہ نگر گستاخ جس نے عریاں کیا نطرت کی طاقتوں
 اسی کی بیتاب بجلیوں سے خط ہیں ہے اس کا آشیانہ
 ہوائیں آگنی فضا میں آگنی سمندر آگنی جہاز اُن کے
 گرہ بھنور کی کھلے تو کیونکر؟ بھنور ہے تقدیر کا یہانہ
 جہان نو ہو رہا ہے پیدا وہ عالم پیر مر رہا ہے
 جسے فرنگی مقاموں نے بتا دیا ہے قمار خانہ
 ہو رہا ہے گوتہ دوزخ لیکن چرل اپنا جبار رہا ہے
 وہ مرد درویش جس کو حق نے دیے ہیں اندازِ خسروانہ

فَشْتِ رَا دَم کو حَبِیْ سے رَحْمَتِ کَمِیْ تے ہیں

عطا ہوئی ہے تجھے روز و شب کی بے تابی
 خبر نہیں کہ لوحِ اکی ہے یا کہ سیما بی
 سنا ہے خاک سے تیری نمود ہے لیکن
 تری سرشت میں ہے کو کبی و مہتابی
 جہاں اپنا اگر خواب میں بھی تو دیکھے
 ہزار ہوش سے خوشتر تری شکرِ خوابی

گراں بہا ہے تیرا گریہ سحر گاہی
اسی سے ہے ترے غسل کہن کی شادابی
تری نواسے ہے بے پردہ زندگی کا ضمیر!
کہ تیرے ساز کی فطرت نے کی ہے خرابی

روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے

کھول آنکھ زمین یکہ فلک دیکھ فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ
اس جلوہ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ
ایام جدائی کے ستم دیکھ جفا دیکھ

بے تاب نہ ہو معرکہ بیم و رجا دیکھ

یہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضا میں
یہ کوہ و صحرا یہ سمندر یہ ہوائیں
تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادا ہیں

آئینہ ایام ہیں آج اپنی ادا دیکھ

سمجھ گا زمانہ تری آنکھوں کے اشکائے
دیکھیں گے تجھے دُور سے گردوں کے ستارے
ناپید ترے بحر تغیب کے کسائے
پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے

تعمیر خودی کرا تراہ رسا دیکھ

خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شر میں
آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں

جتنے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں جنت تری پہناں آتے خون جگر میں
 اسے بیکر گل کو شش بیہم کی جزا دیکھ
 نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے توجس محبت کا خسریدار ازل سے
 تو پیر صنم حسانہ اسرار ازل سے محنت کش و خوریز و کم آزار ازل سے
 ہے راکب تقدیر جہاں تیری رضا دیکھ

فقط علی
 ضبط مری مانند
 ریتا سبیری سبھی آہستہ تپینہ
 پہناتا ہوں اگلے کی قبالا دل کو
 کرتا ہوں سیر خار کو سوزن کی طرح تیز

پیر و مرید

مرید ہندی

چشم بینا سے ہے جاری جوئے خوں ! علم حاضر ہے ہے نہیں راز و زیوں

پیر رومی

علم را بر تن زنی مایے بود

علم را بر دل زنی مایے بود

مرید ہندی

اے امام عاشقانِ درد مند یاد ہے مجھ کو ترا حروف بلند

” خشک مغز و خشک دشتک پوست

از کجائی آید ایں آواز و دست “

دور حاضر مست جہنگ و بے سرور بے ثبات و بے یقین ہے حضور

کیا خبر اس کو کہ ہے یہ راز کیا دوست کیا ہے دوست کی آواز کیا

آہ یورپ! ہافو و تابناک

نغمہ اس کو کھیتتا ہے سوئے خاک

پیر رومی

برساعت راست ہر کس چیز نیست
لطیف ہر مرغی کے عجیب نیست

مرید ہندی

پڑھ لے میں نے علوم شرق و غرب روح میں باقی ہے اب تک درود و کرب

پیر رومی

دست ہر نا اہل بیمار کند
سوئے ماوراء کہ بیمار کند

مرید ہندی

اے نگہ تیری مرے دل کی کشاد کھول مجھ پر نکتہ حکیم چہاں

پیر رومی

نقش حق را ہم بامر حق شکن
بر زجاج دست سنگ دوستان

مرید ہندی

ہے نگاہ خادراں مسخ و غرب
حورِ جنت ہے خوشتر و غرب

پیر رومی

ظاہر نقہ گرا سپید است و نو
دست و جامہ ہم سید گردان

مرید ہندی

آہ مکتب کا جوانِ گرم خوں ساحرِ افرنگ کا صیدِ زبوں

پیر رومی

مرغِ برنارستہ چوں پڑاں شود
طعمہ ہر گریہ و دراں شود

مرید ہندی

تا کجا آویزش دین و وطن جو ہر جاں پر مقدم ہے بدن

پیر رومی

قلب پہلومی زند باز ریشہ
انتظارِ روزی دار و ذہب

مرید ہندی

سرِ آدم سے مجھے آگاہ کر خاک کے ذرے کو ہر ماہ کر

پیر رومی

ظاہر شراپہ آرد چرخ

باطن آمد محیط ہفت چرخ

مرید ہندی

خاک تیرے نور سے روشن بھر غایت آدم خستہ یا قتل

پیر رومی

آدمی دید است باقی پوست است

دید آں باشد کہ دید و است

مرید ہندی

زندہ ہے مشرق تری گفتار سے آستین مرتی ہیں کس آزار سے

پیر رومی

ہر ہاک امت پیشین کہ بود

زراں کہ بچند لگماں برون دعو

مرید ہندی

اب مسلمان ہیں نہیں وہ رنگ و بو سر دیوں کر ہو گیا اس کا ہو

پیر رومی

تا دل صاحب دلے نامد بدرد
بیچ تو مے را خدا رسوا نہ کرد

مرید ہندی

رہے بے رولق ہے یا زار وجود کون سے سوئے میں ہے مردوں کا سود

پیر رومی

زیر کی بغروش و حیرانی بخرا
زیر کی ظن است و حیرانی نظرا

مرید ہندی

م نفس میرے سلاطین کے نیم میں فقیر بے کلاہ و بے گلیم

پیر رومی

بندہ یک مرد روشن دل شوی
ہر کہ بر نفس رقی سر شا ہاں روی

مرید ہندی

لے شریک مستی خاصان ہر میں نہیں سمجھا حدیث جبر و قدر

پیرِ رومی

بالِ بازاں را سوغِ سلطانِ برو
یاںِ زافاں را بہِ گورِ ستاںِ برو

مریدِ ہندی

کارِ ہارِ خسروِ مارِ اہِ سی؟ کیا ہے آخرِ عنایتِ دینِ نبی؟

پیرِ رومی

مصاحتِ دروینِ ماجنگِ و شکوہ
مصاحتِ دروینِ عیسیٰ غارِ کوہ

مریدِ ہندی

کس طرحِ قابو میں آئے آپِ گل کس طرحِ نبیِ دارِ ہو سینے میں ل؟

پیرِ رومی

بندہِ باشِ دہِ زینِ زوچوںِ سمند
چوںِ جتنا زہِ نئے کہ برگِ گردنِ برندا

مریدِ ہندی

سردہاں اور اک میں آتا نہیں کس طرحِ آئے قیامتِ کافیاں

پیر رومی

پس قیامت شو قیامت را بسین

دیدن ہر چیز را شرط است ایں!

مرید ہندی

آسمان میں آہ کرتی ہے خودی! صید مہر و ماہ کرتی ہے خودی
بے حضور و بانسروغ و بے فراغ اپنے پنچیروں کے ہاتھوں مرغ و مرغ

پیر رومی

آں کہ ارز و صید را عشق است پس

لیکن او کہ گنج اندر دام کس

مرید ہندی

تجھ پر روشن ہے ضمیر کائنات کس طرح محکم ہو ملت کی حیات

پیر رومی

وانہ باشی مرغ کانت بر چسند

غنیہ باشی کو دکانت بر کسند

وانہ پنہاں کن سرا پا دام شو

غنیہ پنہاں کن گیاہ بام شو

مرید ہندی

تو یہ کہتا ہے دل کی کرتلاش! طالب دل باش و درپیکار باش!
جو مراد لہ ہے مرے سینے میں ہے میرا جوہر میگہ آئینے میں ہے

پیر رومی

تو بھی گوی مراد لہ نیز بہت
دل فراز عرش باشندے پیست
تو دل خود راوئے پیدا شتی!
جستجوئے اہل دل بگذا شتی!

مرید ہندی

آسمانوں پر مافکریست! میں زمیں پر خوار و زار و دردمند
کار دنیا میں رہا جاتا ہوں میں ٹھوکریں اس راہ میں کھاتا ہوں میں
کیوں مرے بس کا نہیں کار زبیں؟ ابلہ دنیا ہے کیوں دانائے دیں؟

پیر رومی

آں کہ برافلاک رفتارش بود
برز میں رفتن چہ دشوارش بود

مرید ہندی

علم حکمت کا ملے کیوں کر سراغ؟ کس طرح ہاتھ آئے سوز و درد و داغ؟

پیر رومی

علم و حکمت زائد از نانِ حلال

عشق و رقت آید از نانِ حلال

مرید ہندی

ہے زمانے کا تقاضا بخشن اور بے خلوت نہیں سوزِ سخن!

پیر رومی

خلوت از اغیار باید نے زیار!

پوستیں بہرے آمد نے بہار!

مرید ہندی

ہند میں اب فور ہے باقی نہ سوز! اہل دل اس دیں میں ہیں تیسرہ روز

پیر رومی

کارِ مرداں روشنی دگر می است!

کارِ دونوں جیلہ ہے شرمی است

تر اتن رُوح سے نا آشنا ہے؛ عجب کیا آہ تیری نار سا ہے
تن بے رُوح سے بیزار ہے حقِ خدا نے زندہ زندہ دلِ خدا ہے

جبریل و ابلیس

جبریل

ہلم ویرینہ اکیسا ہے جہاں رنگ و بو

ابلیس

سوز و ساز و درد و داغ و جستجوئے آرزو!

جبریل

ہر گھڑی افلاک پر رہتی ہے تیری گفتگو
کیا نہیں ممکن کہ تیرا چاک دامن ہو فدا

ابلیس

آہ اے جبریل تو واقف نہیں سرائے سے
کر گیا سرمست مجھ کو ٹوٹ کر میرا ہوا

اب یہاں میری گزر ممکن نہیں ممکن نہیں
 کس قدر خاموش ہے یہ عالم بے کاغذ و کو
 جس کی نو میدی سے ہو سوز و درد کا نسات
 اس کے حق میں تَقْنَطُوا اچھا ہے یا لَا تَقْنَطُوا

جبریل

کھو دیئے انکار سے تو نے مقامات بلند
 چشمِ یزدان میں فرشتوں کی رہی کیا آبرو

ابلیس

ہے مری جرات سے مشت خاک میں ذوقِ نوح
 میرے قتلے جامہ عقل و خیر کا تار و پو
 دیکھتا ہے تو نقطہ سائر سے رزمِ خیر و شر
 کون طوفاں کے طے آنچے کھا رہا ہے بلکہ تو
 خضر بھی بے دست و پا الیاس بھی بے دست و پا
 میرے طوفاں یکم بہ یکم دریا بہ دریا جو بچو!

گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ لے اللہ سے
قصۂ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا ہو؟
میں کھٹکتا ہوں دل بڑاں میں کانٹے کی طرح
تو فقط اَللّٰهُ هُوَ، اَللّٰهُ هُوَ، اَللّٰهُ هُوَ

قطعہ

کل اپنے مریدوں سے کہا پیر مغال نے قیمت میں یہ معنی ہے درِ تاب وہ چند
زہرا ب ہے اس قوم کے حق میں آفرنگ جس قوم کے بچے نہیں خود دار و ہنرمند

اذان

ایک رات ستاروں سے کہا نجم سحر نے
آؤم کو بھی دیکھا ہے کسی نے کبھی بیدار؟
کہنے لگا مریخ ادا فہم ہے تقدیر
ہے نیند ہی اس تھوڑے سے فتنے کو سزاوار
زہرہ نے کہا اور کوئی بات نہیں کیا
اس کر مک شب کو رے کیا ہم کو سر و کار

یولامیرہ کامل کہ وہ کو کسب ہے زمینی!
 تم شب کو نمودار ہو وہ دن کو نمودار
 واقف ہو اگر لذت بیداری غیب سے
 اونچی ہے ثریا سے بھی یہ حناک پر اسرار
 آغوش میں اس کی وہ تجلی ہے کہ جس میں
 کھو جائیں گے افلاک کے سب ثابت و سیار
 ناگاہِ فضا بانگِ ازاں سے ہوئی لبریز
 وہ نعرہ کہ مل جاتا ہے جس سے دل کہسا

قطعہ
 افلازیباں گرج بہت شوخ نہیں ہے
 شاید کہ آتر جائے تیرے دل میں میری بات
 یا وسعتِ افلاک میں تکبیر مسلسل
 یا خاک کے آغوش میں تسبیحِ مناجات
 وہ مذہب مردانِ خود آگاہ و خدا مست
 یہ مذہب ملاجباتِ ادا و نجات

محبت

شہیدِ محبت نہ کافر نہ غازی
وہ کچھ اور شے ہے محبت نہیں ہے
یہ جو ہر اگر کار فرما نہیں ہے
نہ محتاجِ سلطان نہ مرعوبِ سلطان
محبت کی رسمیں نہ ترکی نہ تازی
سکھاتی ہے جو غمِ نومی کو یامازی
تو ہیں علم و حکمت فقط شیشہ بازی
محبت ہے آزادی وہ پی تیزی

مراقب بہت تر ہے اسکندری سے
یہ آدم گری ہے دامنہ سازی!

سوارہ کا بیٹا
بچے ڈرا نہیں سکتی نصیب کی تازی
میری انشئت میں ہے آپ کی دور نشانی!
تو اے مسافر شبِ خود چراغِ بنِ انبیا
کر اپنی رات کو درِ جگر سے نورانی!

جاوید کے نام

(لندن میں اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا پہلا خط آنے پر)

دیا عشق میں اپنا مقام پیدا کر
 نیازِ زمانے صبح و شام پیدا کر
 خدا اگر دلِ فطرت شناس دے تجھ کو
 سکوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کر
 اٹھانہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احسا
 سفالِ ہند سے مینا و جام پیدا کر
 میں شاخِ تاک ہوں میری غزل ہے میرا ثمر
 مرے ثمر سے مئے لالہ و شام پیدا کر
 مرا طسریقِ امیری نہیں نقیرِ بے
 خودی نہ بیچِ غیری میں نام پیدا کر

فلسفہ و مذہب

یہ آفتاب کیا یہ سپہر بریں ہے کیا؟
 سمجھا نہیں تسلسلِ شام و سحر کو میں
 اپنے وطن میں ہوں کہ غریب الدیار ہوں؟
 ڈرتا ہوں دیکھ دیکھ کے اس دشت و در کو میں
 کھلتے نہیں مرے سفرِ زندگی کا راز
 لاؤں کہاں سے بندہ صاحبِ نظر کو میں
 حیراں ہے بوعلی کہ میں آیا کہاں سے ہوں
 رومی یہ سوچتا ہے کہ جاؤں کدھر کو میں
 ”جاتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ
 پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں“

یورپ سے ایک خط

ہم غمگین محسوس ہیں ساحل کے خریدار
 اک بحرِ پر آشوب و پراسرار ہے رومی

تو بھی ہے اسی قافلہ شوق میں اقبال
جس قافلہ شوق کا سا راہ ہے رومی
اس عصر کو اس نے دیا ہے کوئی پیغام
کہتے ہیں چہ راغ راہ احسار ہے رومی

جواب

کہ نہاید خورد و جو بہم جو خسراں آہوانہ در خستن چہ راغواں
ہر کہ کاہ دیو خورد و خسراں شود ہر کہ تو در حق خورد و خسراں شود

پہلوئین کے مزار پر

راز ہے راز ہے تقدیر جہاں تنگ و تاز
جوش کر دار سے کھل جاتے ہیں تقدیر کے راز
جوش کر دار سے شمشیر سکند کا طلوع
کوہ الوند ہوا جس کی حسرت سے گداز
جوش کر دار سے تیمور کا سیل ہمہ گیر
سیل کے سامنے کیا شے ہے نشیب و فراز

صعب جنگاہ میں مردانِ خدا کی تکبیر
جوشش کردار سے بنتی ہے حسد کی آواز
ہے گرفتِ صدمت کردار نفس یا دو نفس
موضعِ یک دو نفسِ تہر کی شب ہائے وراز
عاقبتِ منزلِ مادِ دمی خاموشانِ است
مالِ غلبہ در گنبدِ افلاک انداز

مسو لینی

نُدرتِ فکر و عمل کیا شے ہے؟ ذوقِ انقلاب
نُدرتِ فکر و عمل کیا شے ہے؟ ملتِ کاشاب
نُدرتِ فکر و عمل سے معجزاتِ زندگی
نُدرتِ فکر و عمل سے سنگِ خارہ لعلِ ناب
رومۃ الکبریٰ! دگر گول ہو گیا تیرا ضمیر
اینکہ می بینم بہ بیداری است یارب یا خواب
چشمِ پیرانِ کہن میں زندگانی کا فروغ
نوجواں تیرے ہیں سوزِ آرزو سے سینہ تاب

محبت کی حسرت اب یہ تمنا یہ نمود
 فصل گل میں پھول رہ سکتے نہیں زیر حجاب
 نغمہ ہائے شوق سے تیری فضا معمور ہے
 زخمہ ور کا منتظر تھا تیری فطرت کا رباب
 فیض یہ کس کی نظر کا ہے؟ کرامت کس کی ہے؟
 وہ کہ جس کی نگہ ہے مثل شعاع آفتاب

قطعہ

ایک مفلس خود داریہ کہتا تھا خدا سے
 لیکن یہ بتا تیری اجازت فرشتے
 میں کر نہیں سکتا گلہ درد فقیری
 کرتے ہیں عطا مرد و فرمایا کو میری؟

پنجاب کے درہقان سے

بتا کی تری زندگی کا ہے راز
 اسی خاک میں دب گئی تیری آگ
 زمیں میں ہے گویا کیوں کی برات
 زمانے میں جھوٹا ہے اس کا نگین
 بستان شعوب و قبائل کو توڑ
 یہی دین محکم یہی فتحیاب
 ہزاروں برس سے ہے تو خاک کا ناز
 سحر کی ازاں ہو گئی اب تو جاگ
 نہیں اس اندھیرے میں آب حیات
 جو اپنی خودی کو پرکھتا نہیں
 رسوم کہن کے سلاسل کو توڑ
 کہ دنیا میں توحید ہو بے حجاب

بہ خاک بدن وائے دل نشان
کہ این وائے دارد ز حال نشان

نادر شاہ افغان

حضور حق سے حملہ لے کے لولو کے لالہ
وہ ابرحس سے رگِ گل ہے مثلِ تارِ نفس
بہشتِ راہ میں دیکھتا تو ہو گیا بیتاب
عجب مقام ہے جہاں پہنچے جاؤں برس
ہذا بہشت ہے اسی کہ مستطرب ہے ترا
ہرات و کابل و غزنہ کی کاسنہ ز نورس
سرشک ویدہ نادر بہ داغِ لالہ نشان
چناں کہ آتش اور اگر فرو نہ نشان

خوشحال خان کی وصیت

قبائل ہوں ملت کی وحدتیں کم کہ ہو نام افغانیوں کا بلند

ہ خوشحال خان خلکِ پشتو زبان کا مشہور زلم و دوسرے شاعر تھا جس نے افغانستان کو غلوں سے آزاد کرانے کیلئے سرحد کے افغان قبائل کی ایک جمیعت قائم کی قبائل میں صرف ان فریدیوں نے آخر دم تک اس کا ساتھ دیا اس کی قرینا ایک سو غلوں کا انگریز کی ترغیب سے ۱۸۶۶ء میں لندن میں شائع ہوا تھا۔

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
مفضل سے کسی طرح کست نہیں
کہوں تجھ سے اے ہم نکسین دل کی بات
اڑا کر نہ لائے جہاں باد کوہ
ستاروں پہ جوڑا لے ہیں کست
تہستان کا یہ سجہ ارجمند
وہ مدفن ہے خوشحال خاں کو پسند
مفضل شہسواروں کی گردِ مہمند

تاتاری کا خواب

کہیں سب جاوہ و عمامہ رہزن
روائے فرین و ملت پارہ پارہ
مرا ایساں تو ہے باقی دلیکن
ہوئے تندر کی موجوں میں محصور
کہیں ترسا پچوں کی چشم بے باک
قبائے ملک و دولت چاک و چاک
نہ کھا جائے کہیں شعلے کو خاشاک
سمہر قند و بخارا کی کعبہ خاک

بگڑا اگر دعوہ چند ایک بے بنیم

بلا انجستری و نکلینم

یکایک ہل گئی خاکِ سمرقند
شفقِ آسمین ز تھی اس کی سفیدی
اگر محصور ہیں مردانِ تاتار
اٹھا تیمور کی تربت سے اک نور
صد آئی کہ "میں ہوں روحِ تیمور"
نہیں اللہ کی تقدیر محصور

۱۔ یہ شعر معلوم نہیں کس کا ہے۔ فیصل الدین طوسی نے غالباً شرع اشارات میں اسے نقل کیا ہے۔

تقاضا زندگی کا کیا یہی ہے کہ تورانی ہو تورانی سے مہجور
خودی را سوز و تاجے دیگرے وہ
جہاں را انفلایے دیگرے وہ

حَال و مقام

دل زندہ و بیدار اگر ہو تو بہت درج
بندے کو عطا کرتے ہیں چشم نگراں اور
احوال و مقامات پر موقوف ہے سب کچھ
ہر لحظہ ہے سالک کا زماں اور مکاں اور
الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملا کی اڈاں اور مجاہد کی اڈاں اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہی کا جہاں اور

ابو العلامعی

کہتے ہیں کبھی گوشت نہ کھاتا تھا معوی
پہل پھول پر کرتا تھا ہمیشہ گذر اوقات

اک دوست نے بھونا ہوا تیرے بھیجا
 شاید کہ وہ شاہِ اسی کیست ہو مات
 یہ خوانِ تروتازہ معسری نے جو دیکھا
 کہنے لگا وہ صاحبِ غفران و لزومات
 اے مرغِ بے پیارہ ذرا یہ تو بتا تو
 تیرا وہ گنہ کیا تھا یہ ہے جس کی مکافات
 افسوس صد افسوس کہ شاہین نہ بنا تو
 دیکھے نہ تیری آنکھ نے فطرت کے اشارات
 تقدیر کے قضا کی یہ فتویٰ ہے ازل سے
 ہے جبرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

سینما

وہی بت فروشی وہی بت گری ہے سینما ہے یا صنعتِ آذری ہے؟
 و صنعت نہ تھی شیوہ کافری تھا یہ صنعت نہیں شیوہ سحری ہے؟

۱۔ غفران - رسالۃ الغفران مولیٰ ایک مشہور کتاب کا نام ہے

۲۔ لزومات - اس کے تعائد کا مجموعہ ہے

وہ مذہب تھا اقوام عہد کهن کا
وہ دنیا کی مٹی یہ دوزخ کی مٹی
یہ تہذیب حاضری سودا گری ہے
وہ بہت خانہ خاکی یہ خاکستری ہے

پنجاب کے پیرا دوس

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی محراب پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستار
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہاں انگلی کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار
وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہباز
اللہ نے بروقت کیا جس کو خیر و اوار
کی عرض پہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو
آ نکھیں مری ہیستائیں ولیکن نہیں بیدار
آئی یہ مسدا سلسلہ فقر ہوا پسند
ہیں اہل فقر کشور پنجاب سے یزار

عارف کا ٹھکانہ نہیں وہ خط کہ جس میں
پیدا کلمہ فقر سے جو طرہ دستار
باقی کلمہ فقر سے تھا ولولہ حق !
طرہوں نے چڑھایا نشہ خدمت سرکار

سیاست

اس کھیل میں تعین مراتب ہے ضروری
شاطر کی عنایت سے تو فرزند ہیں پیادہ
بے چارہ پیادہ تو ہے اک مہرہ ناچیز
فرزند سے بھی پوشیدہ ہے شاطر کا ارادہ

فقر

اک فقر سکھا تلے صیاد کو پنجیری
اک فقر سے قوموں میں مسکینی و دلگیری
اک فقر سے کھلتے ہیں انہر ارجھا گیری
اک فقر سے مٹی میں خاصیت اکسیری
اک فقر ہے شبیری اس فقر میں ہے میری
میراث مسلمان سرما یہ شبیری

خودی

خودی کو نہ دے سیم وزر کے عوض نہیں شعلہ دیتے شرر کے عوض
یہ کہتا ہے سر دوستی دیدہ در غم جس کے سگر سے روشن بصر
زہر درم تند و بدخو مباحش تو باید کہ باشی درم گو مباحش

جدائی

سورج بنتا ہے تار زر سے دنیا کے لئے ردائے نوری
عالم ہے خموش و مست گویا ہر شے کو نصیب ہے حضورِ
دیر یا کہسار چہ اندتاے کیا جانیں فراق و ناصبوری

شایاں ہے مجھے غم جدائی
یہ خاک ہے محرم جدائی

خانقاہ

رمز و ایماں اس زمانے کیلئے موزن نہیں اور آتا بھی نہیں مجھ کو سخن بازی کا فن !
قم باذن اللہ کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوئے خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گور کن !

ابلیس کی عرصہ داشت

کہتا تھا عزرا زیل حسد او ندی چہاں سے
 پر کالہ آتش ہوئی آدم کی کف خاک
 جاں لاغر و تن فریہ و ملبوس بدن زیب
 دل نزع کی حالت میں خرد و نچتہ و چالاک
 ناپاک جسے کہتی تھی مشرق کی شریعت
 مغرب کے نقیہوں کا یہ فتویٰ ہے کہ بے پاک
 تجھ کو نہیں معلوم کہ حور این بہشتی
 ویرانی جنت کے تصور سے ہیں غمناک
 جہور کے ابلیس ہیں ارباب سیاست
 باقی نہیں اب میری ضرورت تہ افلاک

کہو

اگر لہو ہے بدن میں تو خون ہے نہ ہراس اگر لہو ہے بدن میں تو دل ہو بے وسواس
 جسے بلا یہ متاعِ گراں بہا اس کو نہ ریم و زر سے مجبت نے غم افلاک

پرواز

کہا درخت نے اک روز مرغِ صحرا سے
خدا مجھے بھی اگر بال دے پر عطا کرے
دیا جواب اسے خوب مرغِ صحرا نے
جہاں میں لذتِ پروازِ حق نہیں اسکا
ستمِ غم کدہ رنگ و بو کی ہے بنیاد
شگفتہ اور بھی ہوتا یہ عالم ایسا
غضب ہے داد کو سمجھا ہوا ہے تو بیدار
وجود جس کا نہیں جذبِ خاک سے آزاد

شیخ مکتب سے

شیخ مکتب سے اک عمارت گزرتی
مکتبہ دل پذیر تیسرے کے
جس کی صنعت ہے روح انسانی
کہہ گیا ہے حکیم مت آئی
پیش خورشید برکش دیوار
خواہی از سخن حسانہ نورانی

فلسفی

بلند بال تھا لیکن نہ تھا جسور و غیور
ہمراہ فسادوں میں اگر گس اگر چہ شاہینِ وار
حکیم سر صحبت سے بے نصیب رہا
شکارِ دلدہ کی لذت سے بے نصیب رہا

شائین

کیا میں نے اس خاکداس سے کنار
 بیا بیاں کی خلوت خوش آتی ہے مجکو
 نہ باد بہار می نہ گلچیں نہ بلبلیں
 خیال یابیوں سے ہے پرہیز لازم
 ہولے بیا بیاں سے ہوتی ہے کاری
 حسام و کبوتر کا بھوکا نہیں ہیں
 جھپٹا پلٹ پلٹ کر چھٹنا
 یہ پورپ یہ کچھم چکوروں کی دنیا
 پرندوں کی دنیا کا درویش نہیں ہیں
 کہ شائین بنانا نہیں آشیانہ

باغی مرید

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی !
 گھر یہ کاحلی کے چراغوں سے ہے روشن
 شہری ہو دہاتی ہو مسلمان ہو سادہ
 مانند بتاں بچتے ہیں کعبے کے برہمن

نذرانہ نہیں! سودے پیرانِ حرم کا
میراث میں آئی ہے انہیں مندرشاہ
ہر خرقہ سالوس کے اندر ہے مہاجن
زاخوں کے تصرف میں عقابوں کے شین

ہارون کی آخری نصیحت

ہارون نے کہا وقت رحیل اپنے لیے سے
پوشیدہ ہے کافر کی نظر سے ملک الموت
جائے گا کبھی تو کبھی اسی راہ گزر سے
لیکن نہیں پوشیدہ مسلمان کی نظر سے

ماہر نفسیات سے

جرات ہے تو انکار کی دنیا سے گزر جا
ہیں بجز خودی میں ابھی پوشیدہ جہیز ہے
کھلتے نہیں اس قلمزم خاموش کے اسرار
جب تک تو اسے ضربِ کلیمی سے نہ چیرے

یورپ

تاک میں بیٹھے ہیں مدت سے یہودی سود خوار
خود بخود گرنے کو ہے چکے ہوئے پھل کی طرح
جن کی رہائی کے آگے ایچ ہے زور پانگ
دیکھتے بڑھتا ہے آخر کس کی جھولی میں فنگ

(یا غور از نطقہ)

آزادی افکار

جو دماغی فطرت سے نہیں لائق پرواز
اس مرغک بچہ کا انجمن ہے افتاد
ہر سینہ نشین نہیں جبریل ہیں کا
ہر فکر نہیں طائرِ نسر و دوس کا صیاد
اس قوم میں ہے شوخی اندیشہ خطرناک
جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد
گو فکرِ خدا دوسے روشن ہے زمانہ
آزادی افکار ہے ابلیس کی ایجاد

شیر اور خچر

شیر

ساکنانِ وشت و صحرا میں ہے تو سب سے الگ
کون ہیں تیرے اب و جد؟ کس قبیلے سے ہے تو؟

نَحْسَر

میسے ماموں کو نہیں پہچانتے شاید حضور
وہ صبارِ فتارِ شاہیِ اصطلیل کی آبرو
(ماخوذ از جرمن)

چیونٹی اور عَقاب

چیونٹی

میں پائ سالِ دُخوارِ پریشان و دردمند
تیرا مقام ہے ستاروں سے بھی بلند

عَقاب

تو رزق اپنا ڈھونڈتی ہے خاکِ راویں
میں نہ سپہر کو نہیں لاتا نگاہ میں

تَبَّتْ

فرہنگ ”بال جبریل“

چنگ زبان۔ سازوں کے نام	صیاد۔ شکاری	۱۔ حرمیم۔ پردہ
سبوح۔ شراب کا پیالہ	قدسیوں۔ قدی کی جے	ذات۔ وجود باری تعالیٰ کی ہستی
اولیٰ۔ پہلا۔ اول	۵۔ مستعار۔ مانگی ہوئی شے	صفات۔ صفت کی جے
بحر۔ سمندر	پائدار۔ باقی رہنے والی شے	اسیر۔ قیدی
گہ۔ موتی	جادواں۔ ہمیشگی	نقشبندہ نقاش۔ مصو
زرہ پوش۔ زرہ پہنے ہوئے	کسک۔ درد کشک	فانش۔ ظاہر
زرہ۔ آہنی لباس	ہنوا۔ آواز	رتخیز۔
۱۰۔ درپو بندی۔ دیر کے بعد ملاقات ہونا	سوز دروں۔ اندرونی تڑپ	کائنات تمام دنیا
بیابان۔ جنگ	ناسید اگر ان جس دریا کا دوسرا نہ نکلتا ہے	کچ۔ رو۔ غلط راستہ چلنے والا
الوتی۔ ایران کا ایک پہاڑ	خود نگہداری۔ اپنے آپ کو نگاہ میں رکھنا	کچ۔ ٹیڑھا
مشاطی۔ بناؤ سنگدار	دنبالہ۔ پشت	ازل۔ ہمیشہ سے
خاندندی۔ سرخی لالی۔ ہندی رنگا	انجم۔ ستارہ	کوکب۔ ستارہ
تازیانہ۔ کوڑا	مرغ۔ پرندے	زبان۔ لفظان
۱۱۔ تراش آؤرانہ آؤدھیابت تراشا۔	ماہی۔ مچھلی	ہوا شکار ظاہر
تاگ۔ گھاٹ نگاہ رکھنا	۱۲۔ متاع۔ دولت۔ سرمایہ	صدق۔ سبب
لاکیر۔ خوف نہکھا	پیدائی۔ وجود ظہور	حزف۔ نگینے
صلہ۔ بدلہ	اسرار۔ بھید۔ رموز	حجاب۔ پردہ
۱۳۔ برہاط۔ سستی۔ قوت	۱۴۔ مینائے۔ صراحی	محیط۔ گھیرا۔ دائرہ
فرسودہ۔ پرانا	پتھی۔ خالی	۱۵۔ دشت سادہ۔ چٹیل میدان
مہنگامہ۔ شور۔ قیامت کا سنگام	تبع جلد اور جہر والی تلوار۔ تیز	نور بصیرت۔ دیکھنے والی روشنی

النفات۔ انیت

ہے نوازی

رومی۔ مولانا روم

رازی۔ امام رازی

گرگسوں۔ گرگٹ

خرد۔ عقلمند

طیسم۔ جادو

رہائے نیکیوں۔ نیلی چادر

زہرہ۔ راستہ چلنے والا

رحیل۔ کوچ

کاروان۔ قافلہ

بدگی۔ اطاعت۔ بے چارگی

بے کراں۔ لاناہتا

ہدانش نورانی۔ عقل و دل کو روشن کرنے والا نور

باطل۔ غلط۔ بیکار

افرنک۔ فرنگی۔ انگریز

زندیقی

بے بصیر۔ اندھا

خود میں۔ اپنے نفس کو پہچاننا

خدا میں۔ خدا کو پہچاننا

ہیرک۔ پتہ

موعظہ۔ نصیحت

تاویل۔ کوثر یا غلیظت کا حیران کن

پاژندہ۔ زندگی تفسیر یا رسوخ حقیقہ

کے مطابق انکے زشت پر زندگان بنائے گئے

فردوس۔ جنت

فرہ۔ بستی۔ گاؤں

ملکوئی۔ فرشتوں جیسا

پیوند۔ واسطہ۔ نسبت

دماوند۔ ایران میں ایک پہاڑ کا نام

اہل۔ بے وقوف

خارا شگاف۔ پتھر کو حیرنے والا

فاسن۔ ظاہر

دم بدم۔ ہر لحظہ۔ ہر آن۔ ہر آن

نم۔ بھیگا ہوا

شکم۔ پیٹ

صاحب لولاک۔ ایک شہو حدیث کی

جانب شاہ جو پنج خط لکھ کر خطاب ہے

ادراک۔ سوچو۔ بوجھ والا

پرکار۔ ہوشیار۔ چالاک

خس۔ وحاشاک۔ تنکا گھاس پھوس

طریق۔ راستہ۔ طریقہ

عہد عتیق۔ قدیم زمانہ

تاسیب۔ چھوڑ دینا۔ باز آنا

تصدیق۔ تائید کرنا۔ حائز بات کہنا۔

زندقی۔ بے دین

طیسم۔ جادو

بالسان۔ زبان سے کہنا

راہی۔ راستہ چلنے والا

کورنگاہی۔ اندھا پن

گرداب۔ سمندر

سیما۔ پارہ صفت

محراب۔ در

مشام تیز سو گھنے کی تیز قوت

ظن و تخمین گمان اور اندازہ

منع زائے بے دانشی و بوجھ لے لے

سزادار۔ لائق۔ مستحق

غیاب۔ غائب ہونا

زبور عجم۔ اقبال کا ایک فارسی مجموعہ کلام

صدف۔ سیپ

ہدف۔ نشانہ

لا تحف۔ خوف نہ کھا۔ نہ ڈر

تلف۔ ضائع

سجف یہاں حضرت علی کا در اقدس ہے

سواد۔ گرد و اج۔ منظر۔

زمام کار۔ مہار۔ اختیار کام

سہ قناد ملت۔ بہتر فوٹوں سے مراد ہے
فلک فلک اہم اذن کا آسمان یعنی
عرش اعلیٰ فلک کی جگہ
فتراک۔ شکاری کا قید
فرزانہ۔ حقیقتہ
تخت۔ شکار
ہجوری۔ جدائی۔ ہجر
منازع۔ سرمایہ۔ دولت
ملتفت۔ متوجہ۔ مہربان
اہل حلقہ گھرے کے لوگ صوفیوں کی اصطلاح
مستوری۔ پوشیدگی
دل بیتا۔ دیکھنے والا دل روشن و منور دل
آستان۔ چمکھٹ۔ در
ناصوری صبر نہ ہونا۔
آبجو۔ دریا
زجاج۔ شیشہ
کچ کلاہی غزو۔ شیرمی ٹوٹی رکنا۔
مرغ و ماہی۔ پرندے اور مچھلی
روسیاہی کا لکھ چہرے کی سیاہی
غیش۔ کھجور کا درخت
غناک۔ بصورت دروغ سے بھر ہوا۔
کساد۔ بے رواجی

عقاب۔ غصہ۔ برہمی
قیصری۔ شاہی
سرفری۔ سرداری
مال۔ انجام۔ نتیجہ
نومیدی۔ ناامیدی
نیشتان۔ نرکل کا جھگ
راہ دان۔ راستہ جاننے والا۔ رہبر
خدا نگ جہتہ۔ کمان سے نکلا ہوا تیر
ہیم خزاں۔ پت جھڑ کا ڈر
امم۔ ملت۔ امت کی جگہ
مے ناب۔ عمدہ۔ شراب
سحاب۔ بادل
طاؤس۔ رباب۔ سازوں کے نام
نادر۔ نادر شاہ محمد توحید دلی کو تباہ کیا تھا
بے سوز جس میں تریپ نہ ہو
بے سواوی۔ بے علی
واہی۔ بے سرو پا۔ بے مقصد
کبریائی۔ اللہ سے مراد ہے
مخدوم سیمائی ظاہر انما نش۔ نظر بندی
برہنہ پائی۔ ننگے پاؤں ہونا
باسائی۔ حفاظت
ترہنا۔ خواہش۔ مرضی

کیماگر۔ سونا بنانے والا
کوتابی۔ کسی
کم کوش۔ کم محنت و کوشش کرنے والا
ظاہر لاہوتی۔ علم بصوت میں روحانی
مدارج کی آخری منزل
رد پای۔ گیدڑ پن
آہ و فغان۔ نالے شیون
رہرو۔ راستہ چلنے والا
تیغ بے نیام۔ بلا نیام کی تیغ۔ ننگی تلوار
نزدہام پھندے کے نیچے آنا حال میں آنا
طغیانی طوفان۔ سیلاب
درد آستانہ۔ درد جاننے والا
ہراتی۔ بجلی جیسی چمک
آفتابی۔ سن دینا سے ماوراء
خلائی تخلیق
روہرو۔ سامنے
بیکر ال۔ بے انتہا
جھجو۔ تلاش
غفقوری۔ چین کے بادشاہ کا لقب تھا
سیدائی۔ سفید رنگ کا شاہین و شہساز
شاہین کا خوری سفید رنگ کا شاہین
دشہازم۔ جو اب کیا ہے

مستوری۔ پوشیدہ۔ چھپا ہوا۔

دانش حاضر۔ دوجہید کا فلسفہ و سائنس۔

چوب کلیم حضرت موسیٰ کا عصا جیکے کے دیکھ

دربار فرعون میں آپسے جا دو گراں کا سحر حاصل کیا تھا

عیار۔ مکار

گران سپر بوج کی زیادتی کے سبب تیز چلنے والا سفر

راحلہ و زاد سیوری اور راستے کا خرچ

نصاب۔ جس مال پر کوۃ واجب ہو اس

کی مقدار کو نصاب کہتے ہیں۔

زر و سیم۔ سونا چاندی

کاروان۔ قافلہ

نشین۔ گھومنا۔ آستانہ

زمان و مکان۔ زمانہ اور جگہ

راز دلت راز جاننے والا۔ واقف کار

دوام۔ ہمیشگی

رونداد۔ واقعہ کہانی

فریب خوردہ۔ دھوکا کھایا ہوا

رصل۔ کوچ

افکار۔ فکر کی جھج۔ سوچنا

ایوان۔ کمرہ۔ ہال۔ محل

ادراک۔ سمجھ

پہچان۔ پہچان

تریاقی۔ زہر کو ختم کرنے والی شے

براتی۔ سجلی جسی چمک

ٹیلگوں۔ نیلا پن

سخر و طغرل۔ دوبا و شاہوں کے نام

ملوکاتہ۔ شانہ

فارابی ترکستان کا ایک جید عالم فلسفہ و

حکیم جس کا نام ابو نصر فارابی تھا۔

بارگاہ۔ دربار

صنم کدہ۔ بت خانہ

رہگذر۔ راستہ

صیقل۔ دراک۔ جعل کی جلا

عرق ناک۔ پسینے سے تر ہونے

فاس۔ کھولنا

رموزہ۔ مجید۔ رمز کی جھج

رشی۔ خدا پرست

غمازی۔ چٹلی

خانہ بدی۔ مہندی لگانا

آذربست سار حضرت ابیہیم کے دالا

عامی۔ عام آدمی

اعجمی۔ نادان۔ گونگا

احرام۔ خاص لباس جو صرف حج کے

لئے بغیر سلا ہوا پہنا جاتا ہے۔

مقام۔ تھار باز

بطحی حضرت بابر نے سطامی

ناخوش اندامی جس پر کوئی بس نہیں ہے

تگ و دو۔ دوڑ و دوپ

پر تو۔ سایہ

ایبک۔ سلطان قطب الدین ایبک

عزوری سلطان شہاب الدین عزوری

آہنگ۔ آواز۔ ساز۔ ارادہ

سروش۔ فرشتہ

شبنی۔ گلہ بانی۔ گڈیا

فلت۔ تاریکی

سلمان۔ غزنوی دور کا مشہور ایرانی

شاعر و مسلمان۔

تجسس۔ تلاش

طاؤس۔ مود

عفت پاکدامنی۔ پارسائی

جویائے۔ تلاش

اعراف۔ دوزخ اور جنت کے درمیان

کی جگہ زمین سے بلند شے

صاحب کشف محمود زختری کی تفسیر کی

کتاب کشف

حرمہ۔ گھوٹ

شعور ہوش۔ عقل کا معاملہ

مسجد قرطبہ	نور روشنی	جمارہ - قربی علاقہ
حادثات - واقعہ حادثہ کی چیز	ناقصہ - سائنڈائی	رباعیات
حیات و ممات - زندگی و موت	محل - ہودج	نامحرمانہ جو ہم نہ ہو - اجنبی وغیرہ
حریر - ریشم	صید - شکار	پیراہن - لباس
صیرتی صراف - پرکھنے والا	جذب - تڑپ	طلسم - تاریکی بظلمت کی چیز
ثبات - باقی	اندرون - اندر	لامکانی - جگہاں سے دور رہنا
سیل - بہاؤ روانی	رخت - سامان	وصل - ملنا - ملاقات
تقویم - خبری	گفت و شنید - یہاں پر سندر کی جھاک مراد ہے	خلوتوں - تنہائیوں
عصر و احوال - موجودہ زمانہ	دعا	جلوہ - نظارہ
پیکر گل - مٹی کا جسم - انسان سے مراد ہے	آسجھ - ہنر	خود گزشتہ یعنی برائی پر قائم رہنا
تانناک - چمکتا ہوا	رفیق - دوست	مست - بہتر
صہبائے خاتم - خالص شراب	صبح نشور - قیامت کی صبح	فرنگی - یورپ سے مراد ہے - انگریز
کاس الکرام - مٹی کا پیالہ	کاخ و کو - محل اور کپے	اسیر - قیدی
جنود - فوج و لشکر	شراب کین - برائی شراب بظلمت و بریرہ	دوران - زمانہ
ابن السبیل - مسافر	جلوتی اور خلوتی - ظاہر و باطن یہاں یہ فرقہ	نے نوازی - بانسری بجانا
مضرب - تار	لامکان - جس جگہ حد نہ مقرر ہو	آلودہ - ملا ہوا - طہوت
رخت و بود - فانی (گیا اور بقا)	چار سو چار ہمت - یعنی دنیا	افلاکی - آسمانی - فلک کی چیز
خشت - اینٹ	ریاضی	چار سو چار دہمت
چنگ - ایک قسم کا باجھ جو منہ سے بجایا جاتا ہے	عارف قدوس کا ایک نام برتر خدا شناس	صوبگاہی - صبح کا وقت
صوت - آواز	شعیب - مرشد	جلوتوں - ظاہر - سامنے
نمود - ظاہر	شباتی - گڈیا - نگہ بان	زد - نیچے - مقابل
کشتور کھٹنا		زوال - تباہی

کف خاک خاک کی مٹی۔ انسان

سپہر کہو۔ نیلا آسمان

پیکر لوی۔ نورانی وجود۔ فرشتے

سجود۔ سجدہ

پانڈار۔ مضبوط

بے ثغور۔ بغیر حد۔ تفرکی جمع سرحد

دجلہ عراق کا مشہور دریا جس کے کنارے

بنیاد آباد ہے۔

دنیوب جنوبی جزئی سے نکلنے والا ایک نیا

نیل۔ دریائے نیل

حقیقی صاف اور اصلی شراب

نوری بہاد۔ نوری فطرت

غنی۔ دولت

قلیل۔ مختصر

جلیل۔ بزرگ۔ اچھے

مجاز۔ فرضی

سقوط شکوہ

دین میں روشن دینا (اسلام کو مراد ہے)

حرم مرتبت۔ قابل احترام

اندلسیوں۔ اندلس کے باشندے

رحم غریب۔ عجیب و غریب

گرم احتیاط۔ گرمی۔ دوسری

دیدہ۔ نگہ

المنی۔ جرمی

کہن۔ پرانا

پیر گشت۔ پوپ

رومی نژاد۔ روم کے باشندے

لذت تجدید۔ نیا ذائقہ

اضطراب۔ تڑپ۔ بے چینی

زیاں۔ نقصان

گنبد نیلوفری۔ ہسمان

دہقان۔ کسان

کبیر۔ قرطبہ کا مشہور دریا جس کے قریب

مسجد قرطبہ واقع ہے۔

بے حجاب۔ بغیر پردہ

زماں۔ زمانہ

سودے خام۔ کپا مال

قید خانہ میں ملعمت کی فریاد

حر۔ آزاد

لڑناں۔ قید

عبد الرحمن کا بویا ہوا کھجور کا۔۔۔

سختی۔ درخت

تا صبور۔ زہر کرنے والا

بار وکر۔ بڑھتا۔ بھلا۔ بھولنا

شناوری۔ تیراکی

شام۔ ملک شام سے مراد ہے۔

رباعی

اُرزو۔ تمنا

لو۔ خوف

ہمسپانیہ

امیں۔ امانت دار

باد سحر صبح کے وقت کی ہوا

کوہ۔ پہاڑ

کمر۔ مراد پہاڑ کے دامن سے

خنا۔ ہندی

خس وفا شاگ۔ گھاس پیوس

تب تب تاب۔ تڑپ

رباعی

اسرار بہانی۔ پوشیدہ راز

نمودار۔ ظاہر

مہدی۔ ہدایت کرنے والا

آخر زمانی آخری زمانہ میں آنے والا

حضرت امام آخر الزماں علیہ السلام سے مراد ہے

طاریق کی دعا

پُر اسرار مجید سے بھرے ہوئے

دو نیم۔ دو ٹکڑے۔ بیچ

ہمیت۔ خوف۔ ڈر
 خیایان۔ بھولوں کی کیماری۔ (دماغ)
 لا تقیہ۔ خوف نہ کھار نہ ڈر
 عزائم۔ عزم کی جمع۔ ارادے
 رباعی
 جادو دار۔ ہمیشہ
 لینن
 انفس۔ عالم ارواح
 آفاق۔ عالم اجسام
 آیات۔ نشانیاں
 پائیدہ۔ ہمیشہ رہنے والی
 متغیر بدلنے والا
 کوکب۔ ستارے
 دانائے نباتات۔ بالیدگی کے راز کو واقف
 ثابت۔ ظاہر یقین
 اعصار۔ زمانے عصر کی جمع
 نگارندہ۔ لکھنے والا
 آفات۔ آن کی جمع
 اسلوب طریقہ
 مساوات۔ ہمسائیگی
 درخشندہ۔ چمکنے والا
 ظلمات۔ تاریکی

مرگ۔ مفاجات۔ موت
 مساوات۔ برابری
 مدینیت۔ شہریت
 شاطر تیز چالاک۔ شطرنج کا کھلاڑی
 ترزلزل۔ زلزلہ آنا
 پیران خرابات۔ میخانے کا نگراں
 سقیمہ۔ کشتی
 مکافات۔ بدلہ
 فرشتوں کا گیت
 بے ڈرام۔ بغیر ڈرام
 ازل۔ ہمیشہ سے
 امیر مال۔ دولت مند
 عتاق۔ بکلیں
 پردگی قیام۔ میان کے اندر پوشیدہ
 فرمان خدا
 کاخ۔ محل
 کنجشک۔ چڑیا
 دہقان۔ کسان
 خوشہ۔ بالی
 فرمایہ۔ حقیقت
 حامل۔ درمیان
 پیران کلیسا۔ گرے کا بجاری

صمان۔ صم کی جمع۔ بیت
 رباعی
 رمز۔ نہایت۔ پوشیدہ راز
 گرو۔ ہمید۔ ہنر
 ذوق و شوق
 روان۔ جاری
 وجود۔ ذات
 سود۔ فائدہ
 زیان نقصان
 کوہ انجم۔ مدینے شمال کی طرف ایک پہاڑ
 طیلسان۔ چادر
 نواح۔ علاقہ
 برنیاں۔ ریشم
 طناب۔ رسی
 عیش۔ دوام۔ حبشی کا آرام
 مے شحیات۔ زندگی کی شرب یعنی زندگی
 کورنگاہ۔ اندھا پن
 سر اسخ۔ پتہ
 الکتاب۔ کلام پاک سے مراد ہے
 آبگینہ رنگ۔ شیشہ کی مثال
 سخن بطریقہ حاذقان کے ایک بادشاہ کا نام
 سلیم۔ فاتح مصر جو حاذقانی کا فرد تھا

بازید حضرت باہر سلطانی
نخل لے رطب جس کھجور کھیت دیں
وہل طلب
فراق جدائی
بہانہ جو بہانے کی تلاش
سر وازہ اور حکینو
آتش آگ

بے سوز بغیر جلانا جس آگ میں جلتے ہو
دربوزہ گر بھکاری
جاوید کے نام
سراج پتہ
زاع کو
گدائی

زیرک ذہین
والی سردار
عریانی ننگ
زرین قبا زد و ہار والا لباس
کیلیا دولت

خراج جزیرہ نذرانہ
ملا اور بہشت
تقصیر خطا غلطی
جدل اختلاف

قال اقول جھگڑا اور بحث
سرشت خصلت
بد آموزی بری تعلیم
ملل ملت کی جمعیۃ
کنشت بہت خانہ
دین سیاست
ایمانیت ترک دنیا
خصوصیت دشمنی

سر پزیری سرنگوں ہونے سر پہ رکھنا
پیر کلیسا پوپ
نا بصیری اڈھاپن
صحرا نشینی بیابان کا رہنے والا
بیشری بیانات دینا میہارامہ تبار
تذیری خوف والا کہہ کرے کہوں سے مت کرنا
چندی حضرت حفیظ بغدادی یہاں پر دو
ہے دین داری

الارض للہ

خوئے عادت
وہ خدا یا حقہ کا مالک زمین دار سے درود
آبا باپ دادا اب کی جمعیۃ
ایک نوجوان کے نام
تن آسانی آرام طلبی

استغنائے سلمانی حضرت سلمان
غفیس استغنائے کیفیت بے نیاز
معرج بلندی
نومید نا امید
علم و عرفان معرفت یعنی حق کا جاننے
والا یعنی دائمی غیبوں کی جلا دینے سے ہے
قصر سلطانی بادشاہ کا محل
نصیحت

سال خورد بوڑھا
انگبین شہد
تلخ کڑوا
ساقی نامہ

ارم رحمت
طیور اڑنے والے پرندے
ممولے کمزور پرندہ
خوار ذلیل
سیار چلتے پھرنے والا

گران خواب نیند کے متوالے سوئے ہوئے
غزالان افکار کمر کے بہن یعنی خیالات
سالک
ترم گاہ حیدر آب جنگ
زنج رنج چوڑا چوڑا حنف

تیر جولان تیر چنے دالی

دود و دھواں

زود رس جلد پہنچنے والی

فوق العادہ و جلال شان و شوکت

خاکدان مٹی کا گھر بالکھ کے ڈھیر کا برتن

لیغار حملہ یورش

خوف زشت اچھا اور بُرا

رمز کنایہ سے کی بات مجید

مقام جو اچھے والا

فرشتے آدمی کو بہت سیرخصت کرتے ہیں

سیما بی پارہ جی کیفیت رکھنے والا

شکر خوانی مدیثہ شید

نخل کہن پرانا نخلستان

روحی الرضام کا استقبال کرتی ہو

سم ظاہر

بیم ورجا خوف امید

نصرف صرف کرتا

نالندہ رونے والے تو یہاں کہنے والا مرگ

گردوں آسمان

نمود اگر خوشی والی لکڑی

قطع

فطرت خصلت طبیعت

قبا لباس

سرخار کٹنے کا سرا

جبریل و ابلیس

ہمد دم دیرینہ پرانا ساتھی

کاخ و کو محل اور کوچے

تقصطو تم نا امید ہو

لا تقصطو تم نا امید نہ ہو

تار و پو تانا بانا

لزم لڑائی

قطع

مور منی

زہر آب زہر

اذان

تخم چاند

زہرہ ایک ستارہ کا نام جو ناقصہ

فلک کہلاتا ہے

مریخ ایک ستارہ جو لڑائی و جنگ کے

نام سے یاد کیا جاتا ہے

کونک مشب کور جس کیڑے کو رات

کے وقت دکھائی دیتے

شریا ستارہ کا نام ہے

پراسرار راز و نیاز سے بھر ہوا

بانگ آواز

ایاز سی سلطان محمود کے غلام کا نام

سوجھدہ دار بھی تھا

شیش باز سی فیر کیری جھلم مازی

مرحوبہ ڈرا ہوا رعب میں آیا ہوا

اسکندری بادشاہی سکند بادشاہ کو مرگ

آئینہ سبازی آئینہ بنانا مشہور ہے کہ

سکند بادشاہ نے اسکندریہ کو ایک مینا میں

آئینہ نصب کرایا تھا جس کے ذریعے زمانے

کے حالات معلوم کرتا تھا

ستارہ کا پیغام

تاریکی اندھیرا

سرسشت خصلت

درختانی چمک

نورانی روشن

فلسفہ و مذہب

سپہ بریں بلند آسمان

تغریب الدیار پردیسی مسافر

پوہلی حکیم پوہلی سینا سے مراد ہے

راہرو راستہ چلنے والا

پور سے ایک خط

خوگر عادی

محبوس جس چیز کا علم جس کے ذہن پر کے

احرار۔ آزاد۔ حرکی چیز

نیولین کے فرار پر

جہاں تنگ تاز دینا۔ جدوجہد کی جگہ

نشیب فراز۔ اونچے نیچے

موسولنی

نذرت۔ انوکھاپن

روحۃ الکبریٰ سے بڑا شہر روم

سینہ تاب۔ گرم سینہ جس کے دل

میں سوز و ساز ہو۔

معجور۔ بھیری ہوئی۔

زخمہ در۔ ساز بجانے والا۔

پنجاب کے دیہقان سے

شعوب۔ بڑے قبیلے شیب کی جگہ شیب

یعنی گھاٹی۔

سلسل۔ زنجیریں۔ سلسلہ کی جگہ

محکم۔ محکم

نادر شاہ افغان

لولی لال۔ روشن اہد۔ آبدار موقی

بے تاب۔ بے قرار

سپہرہ۔ سپہرہ۔ اہل تانا ہوا سپہرہ

خوشحال حال کی وصیت

مکتہ۔ پختہ۔

فستان افغانستان کے ایک حصہ کا نام

پاکوہ۔ پہاڑوں کی ہوا۔

تاتاری کا خواب

سیا وہ۔ سیاہ نماز

عمامہ۔ دستار۔ پگڑی

ترساہی۔ شراب کی دوکان کا ملازم

ردا۔ چادر

محصور۔ گھری ہوئی

حال و مقام

حال۔ ذہنی۔ روحانی اور اخلاقی

کیفیت سے مراد ہے۔

مقام جگہ۔ یہاں وہ درجہ جس کا ایک

فائز ہو۔

بتدریج۔ درجہ بدرجہ

چشم نگراں نگہبانی کرنے والی آنکھ

تفاوت۔ فرق

ابوالاعلامعری

ابوالاعلامعری۔ احمد بن عبد اللہ الطبری

عربی کا مشہور شاعر کہہ رہا ہے

مکافات۔ بدلہ

عمران معری کی ایک شہر کا نام

لزوہات معری کے قصائد کا مجموعہ

اذل۔ ہمیشہ سے

سینما

صفت اُذری۔ اُذری کی صفت اُذری

ایک بہت بڑے بہت تراش تھے۔

پنجاب کے پیر زادوں سے

بننا۔ دیکھنے والی

بیدار۔ کھلی ہوئی، جاگنے والی

سیاست

تعیین۔ مقرر کرنا

مراتب۔ درجہ

قرزین۔ وزیر

پیادہ۔ پیادہ۔ پیادہ۔ پیادہ

فقیر۔ فقیر

نخچیری۔ شکا کرنا یا شکا رہنا

مسکین۔ دولہ کی عاشری اور دل کھنا

میری۔ میری۔ میری۔ میری

شہیری۔ شہیری۔ شہیری۔ شہیری

خودی

سیم۔ سیم۔ سیم۔ سیم

چاندی۔ چاندی۔ چاندی۔ چاندی

گورنگا۔ گورنگا۔ گورنگا۔ گورنگا

جذائی

تار زور سوئے کا تار

رولے توری۔ توری کی چادر

خافقہ

رمز۔ مجید

قہم یا دن للہ مردوں کو خدا کو حکم سے

زندہ کرنا حضرت عیسیٰ کو اللہ کی جان بچے

محاورہ۔ دربان۔ نگہبان

گورگن۔ قہر بنانے والے

ابلیس کی عرضداشت

غز ازیل۔ ابلیس کا اصل نام

پر کا کہ آتش۔ آتش کا کھڑا

نق فر۔ مونا جیم

ہو

بے دسواس۔ بے شہنیز شکستہ

متاع۔ دولت

پر دان

ٹمکدہ رنگ بوعن میں گھرا ہوا

شیخ مکتب

نکتہ دل پذیر۔ دل کو قبول کرنے والا نکتہ

فلسفی

بلند بال۔ اونچا اتنے والا

جسور۔ بہادر۔ حیا رت کیا

شہاہین

خاکدان۔ عشی کا گھر۔ دینا

راہبان۔ ترک دنیا والے

خیابانی۔ باغوں میں بہنے والے

ضریت۔ چوٹ۔ وار

حمام۔ وہ پردہ جس کے گلے میں طوق ہو

شلا۔ فاختہ۔ قری

پے کرانہ سے پناہ۔ لا انتہا

باعی مرید

نذرانہ۔ عطیہ

خر و مسالوس۔ مکر و فن کا لباس

زاعون۔ زراعت کی عجم۔ کوا

ہاروں کی آخری نصیحت

رجیل۔ رخصت

راہ گذر۔ راستہ

عابر نقیات

قلزم۔ سمندر۔ دریا

لیورپ

تاک۔ موقع کی تلاش۔ داؤ

سود خوار۔ سود کھانے والا

روہائی۔ گیدڑ جیسی خصلت

پلنگ۔ شیر

آزاد عی افکار

اقتاد۔ گرنا

صیاد۔ شکاری

سیر اور خچر

اب و جد۔ باپ دادا

صبار خنابہوا کی مثال چلنے والا

چیونچی

پامال۔ روٹا ہوا

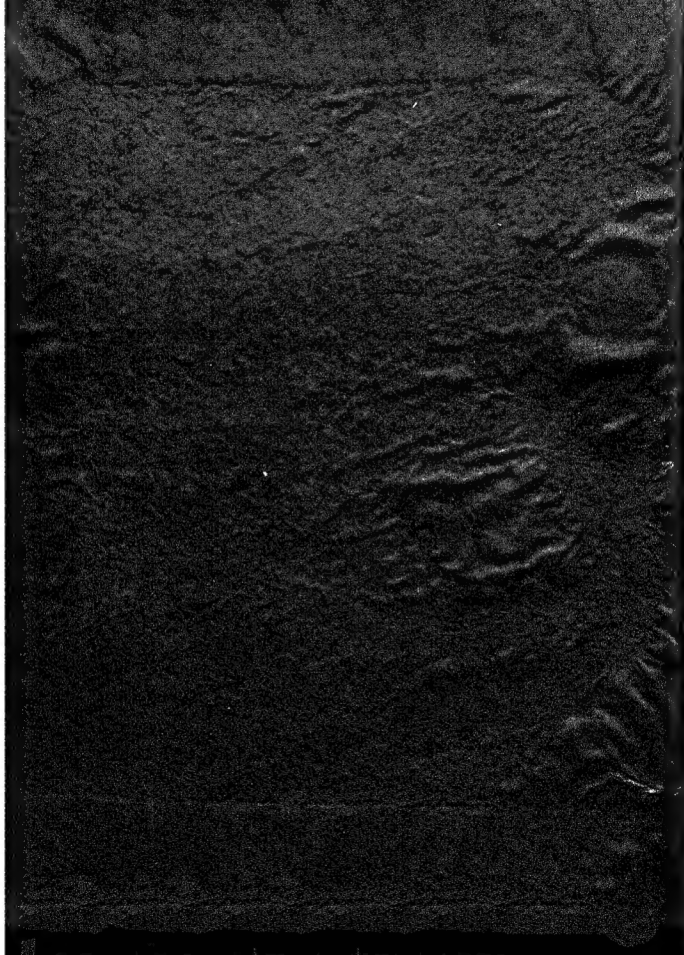
خوار۔ ذلیل

ز سپہ۔ نو آسمان

خاک راہ۔ راستہ کی مٹی چن





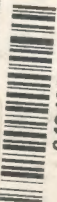


ہماری مطبوعات

—————

۲/۸/۰	عبدالحکیم شرر	قبس و لبنی
۲/۸/۰	"	یوسف و بنجہ
۹/۰/۰	صادق حسین صدیقی	آفتاب عالم کامل
۴/۸/۰	علامہ اقبال	بانگ درا مجلد
۴/۰/۰	"	" غیر مجلد
۴/۰/۰	"	بال جبریل مجلد
"	"	" غیر مجلد
"	"	ضرب کلیم مجلد
"	"	" غیر مجلد

Bibliotheca Alexandrina



0424221



علاوہ ازیں قرآن مجید معرعی و مترجم۔ پارے وقاعد

ہر سائز میں بکفایت ہم سے طلب فرمائیے۔

کمال پبلشنگ ہاؤس نئی سڑک دہلی

مطبوعہ کمال پرنٹنگ پریس دہلی